بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

KOLGAI VILAKKAM - URDU

Main File

غلط عقائد کی اصلاح

مؤلف

مناظرِ اسلام شیخ پی۔زین العابدین صاحب حفظہ اللہ

مترجم: کے محمد ناصر عمری

ناشر

نبیله پَدِپُ پَگمُ ،چینئی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نامِ کتاب	:	غلط عقائد کی اصلاح
اصل کتاب	:	کَول گَیُ وِلکّ کَمُ بزبان تمل۔
نامِ مؤلف	:	مناظرِ اسلام شیخ پی۔زین العابدین حفظہ اللہ
نامِ مترجم	:	مولوی کے۔محمد ناصر عمری، پرنام بٹ
کمپوزنگ	:	ساف ٹک کمپیوٹرس، Cell:94862 48266
طباعت	:	سن پرنٹنگ ایجنسی، مدورائی۔
ناشر	:	نبیلہ پدِپ پَکَم، من نڈی، چینئی
قیمت	:	Rs. 20/-

فہرستِ مضامین

شمارہ	عناوین	صفحات
1	بیعت اورپیری مریدی	5
2	کیابزرگوں کےقدموں میں گرسکتے ہیں؟	11
3	کھڑے ہوکر تعظیم کرنا	13
4	اہلِ طریقت کا طریقہء ذکر	15
5	تسبیح کےدانے	21
6	تبلیغی جماعت	24
7	کیا جنّوں کو قابو کیا جاسکتاہے؟	31
8	شگون لینا	34
9	قبرکاعذاب	39
10	قندوری	42
11	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بدلے میں 786	43
12	درگاہ کی زیارت	45
13	طاق عدد میں دینا	47
14	کالا رنگ اور نحوست	50
15	خواب کےذریعہ حکم	52
16	آبِ زمزم	54
17	قصیدہِ بردہ	57
18	کیاعربی زبان ہی خدائی زبان ہے؟	61

عرض ناشر

اللہ نے نسلِ انسانی کے لیے دینِ اسلام کے نام سے جو طرزِ زندگی عطا کیا ہے، وہ اپنے بہترین عقائد اور عمدہ قوانین کی بنا پر منفرد خصوصیات کا حامل ہے۔

اس کے باوجود اسلام سے ناواقف بعض مسلمانوں کے حرکات و معاملات ایسے ہوتے ہیں جن سے یہ تصور پیدا ہو جاتا ہے کہ اسلام بے بنیاد نظریوں کا مجموعہ اور بداعتقادیوں کا سنگم ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ ایسا تصور کیوں کیا جانے لگا؟

دراصل اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں نے دینِ اسلام کو قرآن کریم اور سنتِ رسول سے سیکھنے کے بجائے، اپنے آس پاس کے غیر مسلم بھائیوں کی نقالی کی ہے۔ یا پھر دین کو بگاڑ کر پیٹ پالنے والوں کے من گھڑت قصوں کو حقیقت سمجھا ہے۔اسی طرح مسلمانوں میں جو بد اعتقادیاں رچ بس گئی ہیں ان کی نشاندہی کر کے ان سے بچانے کے لیے ہی ایک جامع اور مختصر کتاب کی ضرورت محسوس ہوئی۔

یہاں پر یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اس موضوع پر مناظرِ اسلام فضیلۃ الشیخ پی۔زین العابدین صاحب حفظہ اللہ نے مختلف ماہناموں میں جو تفصیلی جواب بزبان تمل لکھا ہے، انہیں یکجا کر کے نبیلہ پدپگم نامی پبلشر نے بنام ''کول گئی وِلکّم'' ایک کتاب شائع کی، جو بہت مقبول ہوئی۔ یہ کتاب دراصل اسی کتاب کو اردو قالب میں پیش کرنے کی کوشش ہے جسے مولوی کے۔محمد ناصر عمری صاحب نے بحسنِ خوبی انجام دیا۔اللہ سے دعا ہے کہ یہ کتاب عوام میں دینی بیداری پیدا کرنے اور غلط عقائد کو ختم کرنے کا ذریعہ بنے۔

نبیلہ پدِپ پگّم ،چینئی

1۔ بیعت اور پیری مریدی

اسلام عقل کو ختم کرنے والے کسی بھی عمل کی اجازت نہیں دیتا۔ پیری مریدی عقل کو سست رفتار بنانے اور حرکت وعمل سے روکنے میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ اس لیے اس کی مکمل وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ''شیخ کا بیعت کرنے والوں کے ساتھ دلی تعلق ہوتا ہے۔ اور وہ مریدوں کے دلوں میں اثر انداز ہوکر تعلیم دیتا ہے''۔ سوال یہ ہے کہ کیا شیخ کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا اسلام کی رو سے جائز ہے؟

اسلامی اصول کے اعتبار سے کوئی بھی آدمی کسی دوسرے آدمی کے دل پر حکم چلانے کا اختیار نہیں رکھتا کیونکہ دل اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ اور اس پر اسی کا اختیار ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اکثر یہ دعا کرتے تھے ''یَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ، ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ''۔ ترجمہ: اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو تیرے دین پر ثابت رکھ۔

(ترمذی 351)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے تھے: ''لوگوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہے۔ وہ ان (دلوں) کو جس طرح چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ (مسلم 4798)

مذکورہ حدیثیں واضح دلیل ہیں کہ دل اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ اس میں کسی کا کوئی اختیار نہیں۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ نے اپنی بیویوں کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کرتے، کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کرتے۔ اس کے باوجود عائشہؓ کو دوسروں سے زیادہ چاہتے تھے۔

اس طرح کسی سے دلی محبت کا پایا جانا، کسی کی طرف دل کا زیادہ مائل ہونا، انسانی اختیار سے باہر کی بات ہے۔ بلکہ وہ ایک فطری عمل ہے جو عدل وانصاف کی کوشش کے باوجود تجاوز کر جاتا ہے۔

اس سلسلے میں اللہ کے نبی ﷺ نے جو دعا کی تھی، وہ بھی قابل ذکر ہے۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! جس معاملے کا میں اختیار رکھتا ہوں، اس میں برابر انصاف کرتا ہوں اور (کسی سے فطری طور پر زیادہ چاہت کا اور دلی محبت کا) جو معاملہ میرے اختیار میں نہیں، اس میں تو مجھے ملامت نہ کر (مجھے مجرم نہ ٹھہرا)۔

(ترمذی 1059، ابوداؤد 1822، نسائی 3883، ابن ماجہ 1961، احمد 23959)

جب خود اللہ کے نبی اپنے دل پر قابو نہ پا سکے، تو کوئی شیخ دوسروں کے دلوں پر کس طرح قابو پا سکتا ہے؟

اللہ کے نبی محمد ﷺ اپنے چچا ابوطالب کو پوری ذمہ داری، دلجمعی، شوق ولگن اور اخلاص کے ساتھ دینِ اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ اس کے باوجود انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ نبی ﷺ ان کے دل میں اثر ڈال کر اسلامی تعلیمات کو راسخ نہ کر سکے۔ ان کو اسلام کی طرف مائل کرنا ممکن نہ ہو سکا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کرتے ہوئے کہا: (اے محمد!) آپ جس کو چاہیں سیدھی راہ پر نہیں لا سکتے۔ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے''۔ (سورۃ القصص 56:28)

پوری ہمدردی کے ساتھ کئی نبیوں نے اپنے اہل وعیال کو نصیحتیں کیں، مگر وہ ان کے دلوں پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ ذیل میں قرآنی آیتوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

(نوح کی بنائی ہوی) وہ کشتی پہاڑوں جیسی موجوں میں ان (ایمان دار) لوگوں کو لے کر چل رہی تھی۔ اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو جو (ان سے) الگ تھا، پکارا: ''اے میرے پیارے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا۔ اور (اللہ کا) انکار کرنے والوں کے ساتھ نہ رہ''۔ تو اس

نے کہا: ''میں (ابھی) پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا، جو مجھے پانی سے بچالے گا''۔انہوں نے کہا: ''آج اللہ کے حکم (یعنی اس کے عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں (کوئی بچ ہی نہیں سکتا)، مگر جن پر اللہ رحم کرے''۔ اتنے میں ایک موج ان دونوں کے درمیان حائل ہوگئی۔اور وہ ڈبو دیے جانے والوں میں ہوگیا۔ پھر (اللہ کی طرف سے) حکم ہوا: ''اے زمین! تو اپنا پانی نگل جا، اے آسمان! تھم جا''۔تو پانی خشک ہوگیا اور وہ (کشتی) جودی پہاڑ پر جا کر بیٹھ گئی۔اور کہہ دیا گیا کہ ظالم قوم (اللہ کی رحمت سے) دور ہوگئی۔

نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا: ''اے میرے رب! میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں (شامل) ہے۔اور تیرا وعدہ بھی سچا ہے۔اور تو ہی فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر ہے''۔(اللہ نے) جواب دیا: ''اے نوح! وہ آپ کے گھر والوں میں شمار نہیں ہے۔یہ ناشائستہ عمل ہے۔اس لیے جس بات کا آپ کو علم نہیں اس کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کیجیے۔میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادان نہیں رہنا چاہیے۔'' نوح نے کہا: ''اے پروردگار! میں تجھ سے ایسا سوال کرنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس کے بارے میں مجھے علم نہ ہو۔اور اگر تو مجھے معاف نہیں کرے گا، اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا، تو میں تباہ ہو جاؤں گا''۔(ہود 11:42 تا 47)

اللہ نے (اس کا) انکار کرنے والوں کے لیے نوح اور لوط کی بیویوں کی مثال بیان کرتا ہے۔وہ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کی بیویاں تھیں۔مگر انہوں نے ان (شوہروں) کے ساتھ بے وفائی کی۔تو وہ (دونوں بندے) اللہ (کی گرفت) سے ان (بیویوں) کو ذرا بھی بچا نہ سکے۔اور (ان عورتوں سے) کہہ دیا گیا۔''تم دونوں بھی دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔(التحریم 66:10)

قرآن مجید کے اس واقعے سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی متقی اور پرہیزگار ہو، اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ کام کر رہا ہو، بہترین تربیت یافتہ ہو، اور کافی تجربہ کار

بھی ہو، اس کے باوجود وہ اپنی تعلیمات کو خود اپنی چاہت اور مرضی سے کسی دوسرے کے دل میں داخل نہیں کرسکتا۔

بیعت اور پیری مریدی اس حقیقت کے برخلاف ہے۔ مثال کے طور پر سلسلۂ چشتیہ کو لے لیجیے جو پیری مریدی کے اس بیوپار میں راست باز مانا جاتا ہے۔ پورے ہندوستان میں اور تمل ناڈو میں بھی اکثر مولوی حضرات، ائمہ اور علما اسی سلسلۂ چشتیہ سے وابستہ ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ حسین احمد مدنی اور رشید احمد گنگوہی وغیرہ بھی اسی سلسلۂ طریقت کے خلیفہ رہ چکے ہیں۔

تبلیغی نصاب (فضائل اعمال) کے مصنف محمد زکریا صاحب نے ''تاریخ مشائخ چشت'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے براہِ راست ٹکرانے والی بہت سی باتیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے چند من گھڑت واقعات یہاں بطور مثال پیش کیا جارہا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے: مشائخ لوگ اپنے اندر خصوصیات رکھتے ہیں۔ ان کو دوسروں میں پھیلا دیتے ہیں جس کو اصطلاح میں ''توجہّ اتحادی'' کہتے ہیں۔

(تاریخ مشائخ چشت، ص:10)

اس توجہ اتحادی کے بارے میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ العزیز کا واقعہ مشہور ہے جس کو شیخ عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت (خواجہ) کے گھر میں کئی مہمان آ گئے۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا۔ اسی فکر کے ساتھ وہ باہر تشریف لائے۔ تو ایک نانبائی ان کے قریب آیا، حضرت کے گھر میں آئے ہوئے مہمانوں کو دیکھ کر وہ کھانے کی کئی چیزیں ایک تھالی میں رکھ کر لے آیا۔ حضرت خوش ہوکر اس سے کہنے لگے: تم جو چاہو مانگو''۔ تو اس نانبائی نے جھٹ سے کہا ''مجھے آپ جیسے ہی بنا دیجیے''۔ حضرت نے کہا وہ تم سنبھال نہیں سکو گے! بہت اصرار کرنے لگا۔ حضرت کئی بار انکار کرنے کے باوجود وہ نہیں مانا۔ اس لیے حضرت مجبور ہوکر اس کو ایک الگ کمرے میں لے گئے۔ وہاں اس پر توجہ اتحادی کی۔ جب وہ دونوں کمرے سے باہر

نکلے، تو دونوں کی صورت ایک جیسی نظر آنے لگی، حضرت خواجہ صاحب پورے ہوش وحواس کے ساتھ تھے۔لیکن نانبائی ہوش وحواس میں نہیں تھا۔بے ہوشی کے عالم میں تھا۔تین دن گزرنے کے بعد وہ اسی بے ہوشی کے عالم میں مرگیا۔ (تاریخ مشائخ چشت ص:11)

اس قسم کی کہانیوں کو سنتے ہی انکار کردینا چاہیے۔اس قصہ گو سے پوچھنا چاہیے کہ کیا ایسا حقیقت میں ہوسکتا ہے؟اس کے لیے قرآن وحدیث میں سے کوئی دلیل پیش کرو کہ واقعی ایسا ہوا؟ مگر افسوس کہ نادان لوگ سوچے سمجھے بغیر، ان بے بنیاد، خواہش کے مطابق گھڑی ہوی ،اور حماقت سے بھری کہانیوں کو بھی سن کر ''سبحان اللہ'' کہتے رہتے ہیں۔حقیقت میں یہ لوگ ،عوام کو بے وقوف بنا کر اپنے آپ کو اللہ کے رسول سے بھی بڑھا چڑھا کر دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اوراس پر طرہ یہ کہ اپنے آپ کو شیخ، تربیت یافتہ اور مُرشَد کہلاتے ہیں۔

موضوع کے شروع میں پیش کیے گئے دلائل کی روشنی میں ذیل کے واقعات کا موازنہ کرنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ یہ لوگ دینِ اسلام کے کھلے دشمن ہیں۔اپنے مریدوں کو خیالی دنیا میں بہکانے اور اپنی برتری جتانے کے لیے لوگوں کو ایسی من گھڑت اور عقلوں کو حیرت میں ڈالنے والی عجیب وغریب کہانیاں سناتے ہیں جن کی کوئی حد ہی نہیں۔ چند مثالیں بطور ملاحظہ ہوں:

ایک مرتبہ ندی پار کرنا بہت ہی مشکل ہوگیا، تو عبدالواحد (نامی شیخ) نے اپنے مریدوں سے کہا کہ تم اس ندی کے پاس جا کر اس طرح کہو کہ اے ندی! تو عبدالواحد کے طفیل سے خشک ہوجا، چنانچہ وہ خشک ہوگی۔(تاریخ مشائخ چشت،ص:143) حضرت کے پاس فقیروں کی ایک جماعت آ پہنچی۔حضرت نے دعا کی تو فوراً پیسوں کی بارش ہونے لگی۔ سب نے ان پیسوں سے حلوا خرید کر کھائی۔(تاریخ مشائخ چشت،ص:143) ان کو (یعنی شیخ کو) چار یا پانچ دنوں میں ایک بار روزہ کھولنے کی عادت تھی۔اور وہ بھی معمولی گھاس پھوس کھا کر روزہ کھولتے تھے۔

(تاریخ مشائخ چشت،ص:153)

اسلام کو بدنام کرنے والے اس طرح کے واقعات ان گنت ہیں۔ان لوگوں نے اپنے ہی جیسے آدمیوں کو انسانی حیثیت سے اونچا اور بالاتر دکھانے کے لیے اس طرح کی باتیں کہاں سے سیکھی؟ کیا اللہ کی نازل کردہ کتاب قرآنِ کریم سے ، یا اللہ کے بھیجے ہوئے رسول محمد ﷺ کی سنت سے ؟ہرگز نہیں ۔ ان لوگوں نے دنیا ترک کرنے والے راہبوں ، جوگیوں،فقیروں اور سنیاسیوں سے یہ ساری چیزیں سیکھی اور پھر انہیں اسلام میں داخل کر دیا ، جو اسلام میں داخل ہونے والے دوسرے لوگوں کو بھی رکاوٹ ثابت ہویں۔حقیقت میں یہ لوگ قبر پرستوں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں، یا کم ازکم ان کے برابر تو ضرور ہیں۔بہرحال یہی وہ طریقت ہے جسے سب سے اونچا سمجھا جاتا ہے۔طریقت کے شیخ ومرشد کی کئی قسمیں ہیں:

☆ کوئی شیخ نماز جیسی عبادت کو بے ضرورت قرار دیتا ہے۔

☆ کوئی شیخ ،میوزک،آلہ طرب،اور سماع وسرود میں مگن رہتا ہے۔

☆ اور کوئی شیخ اپنے قدموں پر گرنے اور قدم بوسی کے لیے کہتا ہے۔

غرض کئی طرح کے دغاباز لوگ پائے جاتے ہیں۔اگر یہاں باقاعدہ اسلامی حکومت ہوتی تو یہ لوگ سزائے موت کے حقدار ہوتے۔

امام قرطبیؒ (محمد بن احمد انصاری جنہوں نے 971 سن ہجری میں وفات پائی)تفسیر کے میدان میں مقبول عام وخاص ہیں ۔ انہوں نے ان صوفی شیخوں کے بارے میں اپنی تفسیر ''الجامع لأ حکام القرآن'' میں جو کچھ لکھا ہے اس کو یہاں ذکر کرنا بہت مناسب ہوگا۔

صوفیوں کے بارے میں امام ابوبکر طرطوشی سے پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ ''صوفیوں کا مذہب بے کاری، جہالت اور گمراہی کا مجموعہ ہے۔اسلام اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کے طریقے (سنت) کے سوا کچھ نہیں ۔عشقِ الٰہی کے نام سے وجد میں آنا اور ناچنا وغیرہ

سامری کا ایجاد کردہ طریقہ ہے۔ان لوگوں کو مسجد میں داخل ہونے سے روکنا حکمرانوں پر ضروری ہے۔آخرت پر ایمان رکھنے والے مسلمان، ان لوگوں کی محفل میں شامل نہ ہوں، ان کی کسی غلطی میں ساتھ نہ دیں۔امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور دیگر علماءِ اسلام کا یہی فیصلہ ہے''۔

امام قرطبیؒ کی اس تحریر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ گمراہ کن صوفیا مذکورہ بالا چاروں اماموں کے مسلکوں سے بھی خارج ہیں۔

2- کیا بزرگوں کے قدموں میں گر سکتے ہیں؟

روحانی علمبردار، درویش، بزرگ اور شیخ وغیرہ کے قدموں میں گرنا، ان کے قدموں کو پانی سے دھوکر اسے عقیدت سے پینا، اور اس طرح کے کاموں سے ان کی عزت کرنا کیا یہ درست ہے؟

نبی کریم ﷺ نے اپنے زندگی کے کسی موقع پر یہ پسند نہیں کیا کہ لوگ آپ کے قدموں پر گر کر عزت واحترام کریں۔نادان لوگ جب اس طرح کرنے کی کوشش کرتے، تو انہیں سختی سے منع کر دیتے تھے۔نبی کریم ﷺ کے زمانے کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

قیس بن سعدؓ سے روایت ہے: میں حِیَرہ (نامی ایک شہر) گیا۔میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے سردار کے لیے سر جھکا کر آداب بجالاتے ہیں۔میں نے (دل ہی دل میں) کہا کہ اس طرح سر جھکا کر تعظیم کرنے کے لائق تو اللہ کے رسول ہیں۔جب میں (وہاں سے لوٹ کر) اللہ کے رسول کے پاس آیا، تو کہنے لگا: میں شہرِ حیرہ گیا تھا۔میں نے دیکھا کہ (وہاں کے) لوگ اپنے سردار کے لیے سر جھکا کر آداب بجالاتے ہیں۔حالانکہ سر جھکا کر آداب بجالانے اور سجدہ کے زیادہ حقدار تو آپ ہی ہیں۔

(اس بات پر) اللہ کے رسول نے (مجھ سے) سوال کیا: (میری وفات کے بعد) اگر تم میری قبر پر سے گزرو گے، تو کیا اس پر بھی سر جھکاؤ گے؟ (سجدہ کرو گے؟) میں نے کہا: ''نہیں کروں گا''۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں! ایسا مت کرنا۔ کیونکہ ایک آدمی کا دوسرے کے لیے سجدہ کرنا اگر جائز ہوتا، تو میں عورتوں سے کہہ دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کے لیے سجدہ کریں۔

(حدیث کی کتاب: ابوداؤد، حدیث نمبر 1828)

صحابی نے نبی کریم ﷺ کے قدموں پر گرنے کی اجازت مانگی۔ تو آپ ﷺ نے ایک اصولی بات بتا کر اس طرح کی حرکت کرنے سے روک دیا کہ کوئی بھی آدمی کسی دوسرے کے قدموں پر نہ گرے، اور نہ اس کی حد درجہ تعظیم کرے، اس لیے کہ دونوں انسان ہیں۔ کسی بھی انسان کے لیے اس طرح کی تعظیم اور عزت شریعت اسلامیہ میں درست نہیں۔ اس طرح کی تعظیم کا حق دار تو صرف اللہ ہے۔ کوئی دوسرا اس کا مستحق نہیں۔

دَورِ نبوت میں یہ رواج عام تھا کہ بیویاں اپنے شوہروں کے قدموں پر گرتی تھیں۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپؐ نے ذکر کیا کہ اس رواج کو ہی میں نے اجازت نہیں دی، تو تم کیسے میرے قدموں پر گرو گے؟

جب لوگوں نے سوال کیا: کیا ہم آپ کے قدموں میں گر سکتے ہیں؟ تو اس سوال پر آپؐ نے یہ ڈرتے ہوئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ ﷺ کی قبر پر سر جھکا کر حد درجہ عاجزی کرنے لگ جائیں، فوراً اس سے بھی روک دیا۔ اور اپنے جیتے جی تاکید کی کہ میری موت کے بعد قبر کی پرستش نہ کرنا۔ اس لیے جو حضرات اپنے قدموں پر گرنے کی لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں، وہ دراصل ایک ایسے کام کی رہنمائی کرتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی گنجایش نہیں بلکہ منع ہے۔ اس کے باوجود اس کی ترغیب دینے والے کمینے اور بدذات ہیں۔

3۔ کھڑے ہوکر تعظیم کرنا

دنیا بھر میں ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر لوگ اساتذہ، سردار، سرمایہ دار، منتظم، بڑے عہدے دار اور بڑی عمر کے لوگوں کے لیے بطورِ تعظیم کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور بڑے بڑے عہدوں میں رہنے والے اس قسم کی تعظیم کو خوش دلی سے پسند بھی کرتے ہیں۔ سوال یہ کہ کیا اسلام میں اس کی اجازت ہے؟

ذیل کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے لیے تعظیم کے طور پر کھڑا ہونا درست نہیں ہے۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کے لیے بطورِ تعظیم نہ کھڑے۔

حضرت معاویہ ؓ اللہ کے رسول کے بعد اسلامی حکومت و مملکت کے پانچویں خلیفہ تھے۔ وہ ایک دفعہ باہر نکلے، تو ان کو دیکھ کر عبداللہ بن زبیر اور ابن صفوان فوراً اٹھ کھڑے ہو گئے۔ معاویہ ؓ نے ان کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر ان سے حدیث بیان کی: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو کوئی یہ چاہے کہ لوگ اس کے لیے بطورِ تعظیم کھڑے ہوں، تو وہ اپنے لیے جہنم میں جگہ بنا لے۔

(ترمذی:2769، ابوداؤد:4552)

نبی کریم ﷺ کے اس واضح فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام کو اپنے بادشاہ کے لیے بھی کھڑے نہ ہونا چاہیے۔ اس طرح کوئی مسلمان یہ ہرگز پسند نہ کرے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ بلکہ اس کی توقع بھی نہ رکھے۔

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ ہم کو (دنیا بھر میں) اللہ کے رسول ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص پسندیدہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود جب ہم آپ کو (ہمارے پاس آتے ہوئے) دیکھتے، تو آپ کے لیے کھڑے نہ ہوتے۔ کیونکہ اس سے آپ ﷺ کو سخت نفرت تھی۔

اس طرح کی حرکت سے نبی کریم ﷺ کو کس قدر نفرت تھی، اس کا اندازہ ذیل کے واقعے سے بھی ہوتا ہے۔

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ (ایک مرتبہ) اللہ کے رسول ﷺ بیمار ہو گئے تو ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے اس طرح نماز پڑھی کہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ نماز میں ہمیں کھڑا دیکھ کر آپ نے اشارہ سے ہمیں بیٹھنے کا حکم دیا۔ تو ہم نے بیٹھ کر آپ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے نماز پڑھی۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: تم نے اس وقت ایسا کام کیا جیسا فارس اور روم والے اپنے بادشاہ کے سامنے کھڑے رہتے ہیں اور بادشاہ بیٹھا رہتا ہے۔ "**فَلاَ تَفْعَلُوْا. اِئْتَمُّوْا بِاَئِمَّتِكُمْ. اِنْ صَلّٰى قَائِما فَصَلُّوْا قِيَامًا وَاِنْ صَلّٰى قَاعِدا فَصَلُّوْا قُعُوْدًا**". یعنی آئندہ ایسا نہ کرنا۔ بلکہ ہمیشہ اپنے امام کی پیروی کرو۔ اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائے، تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اور اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے، تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔ (مسلم، حدیث نمبر 701)

اللہ کے رسول ﷺ نے جب بیٹھ کر نماز پڑھائی، تو عام لوگ بھی بیٹھ کر ہی نماز ادا کیے۔ اس کا ثبوت بخاری کی حدیثوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(جیسے بخاری حدیث نمبر 1114.805.733.732.689.688)

عام قاعدہ یہی ہے کہ آدمی کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔ ہاں اگر کوئی اس قدر بیمار ہو کہ کھڑا نہیں سکتا، تو اس کو بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔

اسی قاعدے کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ مگر آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے والے لوگوں کے پاس کوئی عذر نہیں تھا، کسی قسم کی بیماری نہیں تھی، اس لیے وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ اور ان کا کھڑا ہونا بھی رسول کے احترام اور تعظیم کی خاطر نہیں تھا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ کیونکہ بظاہر یہ ایسا منظر تھا جو دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کے مشابہ تھا کہ بادشاہ بیٹھے رہیں اور لوگ ان کے سامنے باادب

کھڑے رہیں۔اس لیے آپ ﷺ نے اس معاملے میں اپنے اور ان بادشاہوں کے درمیان کسی قسم کی مشابہت پسند نہیں کی۔

اس موقع پر ہمیں ایک بات اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ کوئی آدمی کسی کے استقبال اور اس سے اپنی محبت کے اظہار کے لیے کھڑا ہوسکتا ہے۔اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔احترام اور تعظیم و تکریم کے لیے کھڑا ہونا ہی منع ہے۔نہ کہ استقبال کے لیے کھڑا ہونا،جیسا کہ نبی ﷺ کی پیاری بیٹی جب آپ سے ملنے اور بات چیت کرنے آئی،تو آپ ﷺ نے دروازے تک آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ (ترمذی،حدیث نمبر:3807)

معلوم یہ ہوا کہ اگر کوئی ہمارے گھر آئے،تو ہم اس کے لیے کھڑے ہوسکتے ہیں۔اسی طرح ہم جب اس کے گھر جائیں،تو وہ ہمارے لیے کھڑا ہونا چاہیے ۔اسی کو دینی نقطہ نظر سے استقبال اور خیر مقدم کہا جائے گا۔

فرض کیجیے کہ ایک آدمی جب ہمارے گھر آتا ہے،تو ہم اس کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔مگر جب ہم اس کے گھر جاتے ہیں،تو وہ ہمارے استقبال اور خیر مقدم کے لیے اگر کھڑا نہیں ہوتا،تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اس کے احترام کے لیے اور تعظیم و تکریم کے لیے ہی کھڑے ہیں۔یہی بات دین میں منع کیا گیا ہے۔اور یاد رہے کہ کھڑے ہونا دونوں طرف سے ہوں،تبھی وہ استقبال اور خیر مقدم میں شمار ہوگا۔

4۔اہل طریقت کا طریقۂ ذکر

اہل طریقت ذکر کے نئے طریقے اختیار کرتے ہیں جیسے مجلس میں باقاعدہ حلقے کی شکل میں بیٹھ کر سو مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی ورد کرتے ہیں۔پھر کھڑے ہوکر آپس میں ہاتھ کو جوڑ کر لفظ ''اللہ'' کی ورد سو بار کرتے ہیں۔اس کے بعد لفظ ''اَہٗ'' کی ورد سو مرتبہ کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ دورانِ ذکر ہر مرحلے پر الگ الگ نظم پڑھتے اور مختلف گیت گاتے ہیں، جہاں ہر شخص ناچنے کی وجہ سے گلا، پیٹ اور کاندھا وغیرہ سکڑ سکڑ کر پھیلتا ہے۔ اس مجلس کو منعقد کرنے والا شیخ، لوگوں (مریدوں) کے ذکر میں تیزی لانے کے لیے ہتھیلی کو زمین کی طرف رکھ کر ہاتھوں کو تیزی کے ساتھ گھما کر اکساتا اور رغبت دلاتا ہے۔ اور جیسے ہی ذکر کی مجلس ختم ہوتی ہے، فوراً ہر شخص (یعنی مرید)، اپنے اس شیخ کے ہاتھوں کو چومنے اور بوسا دے کر تعظیم کرنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ ساری باتیں، اللہ کے رسول محمد ﷺ کی بتائی ہوئی (سنتیں) ہیں؟

واضح رہے کہ اہلِ طریقت کے یہ سارے کام اور ناشائستہ حرکتیں قرآن کریم اور سنت رسول کے بالکل خلاف ہیں۔ مذکورہ بالا طریقۂ ذکر دراصل ''شاذلیہ طریقت کا ذکر'' ہے۔ جس کا تمل ناڈو کے بعض جگہوں میں رواج بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہم کو یوں حکم دیتا ہے کہ اپنے پروردگار کو صبح اور شام دل ہی دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ اور بولی میں اونچی آواز کے بغیر یاد کیجیے۔ اور غافلوں (بے خبروں) میں سے مت ہو جایئے۔ (سورۃ الاعراف 7: آیت نمبر: 205)

اللہ تعالیٰ ہم کو عاجزی اور عجز وانکساری کے ساتھ ذکر کرنے کا حکم دیتا ہے، جب کہ اہل طریقت اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اچھلتے اور ناچتے ہیں۔ نیز گیت گاتے ہوئے ہاتھ پیر کو ہلا کر، زور سے جھٹکا دے کر ڈانس کرتے ہیں۔ سوال یہ کہ کیا اس طریقۂ ذکر میں ذرہ برابر عاجزی دکھائی دیتی ہے؟

اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ ذکر اونچی آواز کے بغیر، اپنے دل میں کیا جائے۔ لیکن شاذلیہ طریقت کی مجلس میں تو، دل میں خفیہ طور پر ذکر کرنے کے بجائے علانیہ طور پر بلند آواز کے ساتھ چلاّ چلاّ کر اور زور وشور سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ کے گھر (یعنی مسجد) میں اس کے حکم کے خلاف

ذکر کیا جاتا ہے۔ کیا ایسا کام اللہ کو پسند آئے گا؟ یا اس کو ناراض اور غضب ناک کرے گا؟

آدمی اپنی پسند اور مرضی سے جو نظم لکھ رکھا ہے، اس کو اس مجلس میں ذکرِ الٰہی کے نام سے بڑی عقیدت واحترام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کسی کے موزوں اشعار اور گیت کو وجد میں آ کر بے خودی کے عالم میں گاتے رہتے ہیں۔ جب کہ آدمی کی لکھی ہوئی عبارت، اس کی تحریر، اس کے استعمال کیے ہوئے کلمات، پیش کردہ نظم اور نغمہ وغیرہ کو عبادت اور بندگی سمجھنے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔

اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں۔ اُسی نام سے اس کو پکارنا چاہیے۔ اس سے ذکر کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

آپ کہہ دیجیے! ''تم لوگ اللہ کہہ کر پکارو، یا رحمان کہہ کر۔ جس نام سے بھی پکارو، اور اس کے لیے سب اچھے نام ہیں''۔ آپ اپنی نماز نہ بلند آواز سے پڑھیے، اور نہ بالکل پست آواز سے۔ بلکہ ان کے درمیان کا راستہ تلاش کیجیے۔ (سورۃ بنی اسرائیل 17: آیت نمبر 110)

شاذلیہ طریقت کے یہ لوگ اپنی مجلس ذکر میں ''اہ'' کہہ کر ذکر کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اللہ کے اچھے ناموں میں یہ لفظ ''اہ'' بھی شامل ہے؟ ہرگز نہیں! جب یہ بے معنی لفظ ''اہ'' اللہ کا نام نہیں، تو پھر وہ کس کا ذکر اس طرح سو مرتبہ کرتے ہیں؟

اس کے بارے میں جب ان کے بڑوں سے پوچھا جاتا ہے، تو وہ یوں جواب دیتے ہیں: لفظ ''اللہ'' میں سے پہلا حرف ''الف'' اور آخری حرف ''ہ'' کو ملا کر ''اَہْ'' بنا لیتے ہیں۔ بولنے میں آسانی کے لیے درمیان کے حرفوں کو نکال دیتے ہیں۔ اس طرح اللہ کو مختصر کر کے ''اہ'' کہہ لیتے ہیں''۔

ہائے افسوس! یہ کیسی کج روی ہے!!! کیا اللہ کے نام کو اس طرح توڑ مروڑ کر بگاڑنے کی شریعت میں اجازت ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں۔انہی کے ذریعہ اُس سے دُعا کرو۔اور جولوگ اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو۔وہ جو کر رہے ہیں اس کی سزا ضرور پائیں گے''

(سورۃ الاعراف 7: آیت نمبر 180)

اللہ تعالیٰ اس آیت میں ان لوگوں کو خبردار کرتا ہے جنہوں نے لفظ ''اللہ'' کو ''اَہٗ'' بنادیا، ان کو میرے ذمہ چھوڑ دو۔ میں ان سے نمٹ لوں گا۔ وہ سزا کے مستحق ہیں۔ان کو مناسب سزا دوں گا۔اس طرح سخت وعید سنانے کے باوجود اللہ کے ناموں سے کھلواڑ کرنا کس طرح ذکر ہوسکتا ہے؟

فرض کیجیے ایک شخص کا نام عبدالقادر ہے۔اگر اس کے نام کا پہلا حرف ''ع'' اور آخری حرف ''ر'' کو ملا کر ''عَر'' کہہ کر پکارا جائے،تو کیا وہ اس کاٹ چھانٹ کو گوارا کرے گا؟ اور ''عر'' کو عبدالقادر کا مخفف مانے گا؟ ہرگز نہیں۔اسی طرح ابراہیم نامی شخص کو اگر ''اِم'' کہا جائے تو کیا وہ غصے میں نہیں آئے گا؟

جب ایک معمولی آدمی اس طرح کی کاٹ چھانٹ کو برداشت نہیں کرتا،تو سب کچھ پیدا کرنے والے اور عظمت والے پروردگار اس کو کیسے قبول کرسکتا ہے؟ اس لیے اس طریقۂ ذکر کو ختم کردینا چاہیے۔کیونکہ اس رواج کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

نیز اس مجلس ذکر (یعنی حلقے) میں جو الفاظ بطورِ ذکر استعمال ہوتے ہیں،ان کے کوئی معنی بھی نہیں آتے۔ بس بے معنی الفاظ ہیں ۔ایسے لگتے ہیں جیسے فلموں میں آنے والے غنڈے اور اوباش قسم کے لوگ ہاہا کہہ کر ہنستے اور بکواس کرتے ہیں۔جیسے

هاوا غُلُواً وهاً ها ها

هُو هی هی اِلاهَ ها ها بهایُمن

مُتا هُوسی هُو دهی هاها هو.

کسی معنی ومطلب کے بغیر یوں ہی ہاہا، ہی ہی، ہوہو کہنا، کیا اللہ کے ذکر کا یہی طریقہ ہے؟

اس کے علاوہ اس حلقے میں جو نظمیں ترنم کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں، وہ اسلام کی بنیاد کو ہی ڈھا دینے والی ہوتی ہیں۔ اور اس میں جو نغمہ سرائی ہوتی ہے وہ اسلام کی عمارت کو منہدم کر دینے والی ہوتی ہے۔

کیونکہ وہاں پر اس طرح کی گیت گائی جاتی ہے جس میں شرک کی آمیزش ہوتی ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر اوروں سے امیدیں لگائی جاتی ہیں۔ اس کے معنی ومطلب پر غور کیجیے تو بات سمجھ میں آجائے گی۔ اس میں کہا جاتا ہے کہ میرے آقا! اس حلقے میں جو لوگ بیٹھے ہیں ان کی طرف ایسی نظرِ عنایت کیجیے جو تکلیفوں اور مشکلوں کو دور کر دے۔

اے میرے آقا! آپ سے میری جو نسبت ہے اس واسطے اور وسیلے کی بنا پر مجھے خوب نوازیے۔

اسی طرح ایک اور نغمہ بھی اس حلقے میں پڑھا جاتا ہے جو مولانا! مولانا! کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ اس نغمے میں بھی دعاؤں کو قبول کرنے والے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی جگہ ''باسی'' نام کے ایک شخص سے دعا مانگی جاتی ہے۔

اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکرِ الٰہی کے نام سے ''باسی'' نامی شخص کو خدا بنا دینا یہودیوں کی چال ہے۔ اس ''باسی'' نامی شخص کے بکواس کو ہی اہلِ طریقت ترنم کے ساتھ مجلسِ ذکر (حلقے) میں گاتے ہیں۔

وہ باسی کہتا ہے: ''میں نے عرش وکرسی اور ثُریا (ستارے) سے بھی آگے جو کچھ ہے وہ بھی دیکھا ہے وہ سب میرے حکم کے تابع ہیں۔ جو شخص پیاسا ہو کر آتا ہے اس کو میں ہی پانی پلاتا ہوں۔ نیز جو مجھے پکارتا ہے میں اس کو پناہ دیتا ہوں۔ اور ہر معاملے میں اس کی سفارش بھی کرتا ہوں۔ اے بے راہ! اے پریشان حال شخص! تو اگر پیاسا ہے تو مجھے باسی کہہ کر پکار، میں

تیزی سے آؤں گا''۔

یہ باتیں باسی کی بکواس ہیں۔ اللہ کا ذکر سمجھ کر اسی بکواس کی نغمہ سرائی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ان کے حلقے (مجلس ذکر) میں جو نغمہ سرائی ہوتی ہے، اس میں اللہ کے دین کا مذاق بھی اڑایا جاتا ہے۔ اس نغمے میں کہا جاتا ہے کہ تمام لوگ دوزخ کے عذاب سے ڈر کر تیری عبادت و بندگی کرتے ہیں۔ اُخروی کامیابی کو بڑی خوش نصیبی سمجھتے ہیں۔ اور جنت میں رہنے سہنے اور شربت سلسبیل پینے کی خواہش رکھتے ہیں۔ مگر میں جنت اور دوزخ وغیرہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ میں میری محبت کے عوض کوئی صلہ نہیں مانگتا''۔

اللہ کا حکم ہے کہ دوزخ سے ڈر کر پناہ مانگیں، اور جنت کی خواہش کرتے ہوئے اس کے لیے دعا کریں۔ لیکن اس حکمِ الٰہی کا مذاق اڑانے والے ان ناشائستہ اور متکبرانہ جملوں کو ہی ذکر کے نام سے گاتے رہتے ہیں۔

اس گیت میں یہ بکواس بھی ہوتا ہے کہ محمد کا چاہنے والا کوئی بھی ہرگز نہ سوئے (بلکہ ہمیشہ جاگتا رہے)۔ اسی طرح ان گانوں میں دل لگی اور ہنسی مذاق کی بھی کوئی کمی نہیں۔ کیونکہ اس میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ میرے ہاتھ پکڑ کر میرے چاہنے والوں کے ہاتھوں مجھے بیچ ڈالو۔ میرے ہاتھ پکڑ کر بازار لے جاؤ۔ اور عاشقوں کے ہاتھوں فروخت کر دو''۔

اس لیے آپ انتظار کیجیے۔ اس مجلس میں جب کوئی اس گیت کو گانے لگتا ہے اسی وقت آپ اس کے ہاتھوں کو مضبوطی سے پکڑ لیجیے۔ اس شخص کو زبردستی کھینچ کر بازار میں لے جایئے۔ اور فروخت کر دیجیے۔

یہ دل لگی، مذاق، غنڈے کی طرح ہاہا کہہ کر ہنسنا اور بکواس کرنا، اور پھر باسی نامی ایک آدمی کو خدائی صفات والا ماننا، اور اس کو پکارنا، اسی طرح اس کو خدا بنا دینا، ان کے علاوہ اس مجلس میں ناچ گانا، اور نغمہ و سرود کیا یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں شمار ہوگا؟ ظلم پر ظلم یہ کہ اس طرح کی

مجلسیں مسجد میں منعقد کی جاتی ہیں۔

5۔ تسبیح کے دانے

ہندو مذہب کے لوگ جو مالا پھیرتے اور جپتے رہتے ہیں۔ اسی مالے کی نقالی کرتے ہوے لوگوں نے تسبیح پڑھنے کے لیے خواہ مخواہ تسبیح کے دانے کا رواج دے چکے ہیں۔ جب کہ اس چیز کی ضرورت ہی نہیں۔

کیونکہ اللہ کے رسول محمد ﷺ اور آپ کے چہیتے صحابہ کرام نے ذکرِ الٰہی کے لیے تسبیح کے دانوں کا استعمال نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مَنْ تَشَبَّــــهَ بِـقَـوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ یعنی: ''جو شخص کسی مذہب کے رسم ورواج کو اپنائے گا، وہ انہی میں شمار ہوگا''۔ (حدیث کی کتاب ابوداؤد 3512، احمد 4868)

تسبیح خوانی کے لیے تسبیح کے دانوں کا استعمال کرنا دراصل غیر مسلموں کی نقالی ہے۔ اور ان کی نقل اتارنے والا بھی انہی میں شمار ہوگا۔ اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔

اور یہ بات بھی ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ اس لیے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ آپ ﷺ نے کس طرح تسبیح پڑھی ہے؟

اس کے تعلق سے صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن عَمر و کی روایت ہے، انہوں نے کہا کہ'' فَاَنَا رَاَیْتُ رَسُو لَ اللہِ ﷺ یَعْقِدُھا بِیَدِہٖ'' یعنی ''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے ہاتھ پر تسبیح گنتے ہوئے (اس کی گنتی کرتے ہوئے) دیکھا''۔

(حدیث کی کتابیں: ترمذی 3332، 3408، نسائی 1331)

حضرت یسیرہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: وَاعْقِدْنَ

بِالْاَنَامِلِ فَاِنَّهُنَّ مَسْئُولاتٌ مُسْتَنْطَقاتٌ ''یعنی''تم اپنی انگلیوں پر تسبیحات گنو۔ کیونکہ ان (انگلیوں) سے (قیامت کے روز) پوچھا جائے گا۔ اور وہ جوابات دیں گے''۔

(حدیث کی کتابیں: ترمذی 3507، ابوداؤد 1283)

لیکن بعض لوگ تسبیح کے دانے کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس کے لیے دلیل کے طور پر حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک ذیل کی حدیث ہے۔

حضرت سعد بن وقاصؓ سے روایت ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ایک عورت کے پاس گئے، جن کے آگے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکر تھے۔ وہ عورت ان پر تسبیح کرتی تھیں۔

(حدیث کی کتابیں: ترمذی 3491، ابوداؤد 1282)

اس حدیث کی بنیاد پر وہ لوگ کہتے ہیں کہ تسبیح کے دانوں کا استعمال کر سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث اس قابل نہیں کہ اس پر بھروسا کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روایتِ حدیث کی سند میں راوی خُزیمہ ہے، جو مجہول ہے۔ یہ کون ہے کسی کو معلوم نہیں جیسا کہ امام ذہبیؒ نے میزان میں، اور حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں ذکر کیا ہے۔

نیز اس روایت میں چوتھے راوی سعد بن ابی ہلال ہیں، جن کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ کا کہنا ہے کہ یہ قابلِ بھروسا (ثقہ) تھے۔ مگر ان کے آخری دور میں ان کی یادداشت میں فرق آ گیا۔ اس لیے یہ روایت قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔

تسبیح کے دانوں کو جائز سمجھنے والے، ایک اور حدیث کو بھی بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہ صفیہؓ کی روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس اللہ کے رسول آئے، اس حال میں کہ میرے آگے چار ہزار گٹھلیاں تھیں، جن سے تسبیح پڑھتی ہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا میں تجھے ایسی تسبیح نہ سکھاؤں جو ثواب میں اس سے زیادہ ہو؟ میں نے عرض کیا: ضرور سکھایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو سُبْحانَ اللّٰہِ عَدَدَ خَلْقِہٖ۔ (ترمذی: 3477)

یہ حدیث بھی قابل عمل نہیں۔ کیونکہ اس کی سند قوی نہیں ہے۔ امام ذہبیؒ نے میزان میں اور ابن حجرؒ نے تقریب میں لکھا ہے کہ اس سند کا تیسرا راوی ہاشم بن سعد ہے جو قابلِ بھروسا نہیں۔ مزید یہ کہ اس سند کا دوسرا راوی کِنانہ ہے، جس کے بارے میں کوئی پتا نہیں یعنی وہ مجہول ہے۔

سند پر بحث ہو چکی ہے۔ اب تسبیح کی گنتی کے تعلق سے جاننا ضروری ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ہم کو جو دین سکھایا اس میں ہر وقت تسبیح پڑھتے رہنے کے لیے نہیں کہا گیا۔

کیونکہ ایک مسلمان پر کئی فرائض اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ جیسے بیوی اور بچوں کی کفالت کرنا، ماں باپ کی خدمت کرنا، نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، اللہ اور رسول کی باتوں کو دوسروں تک پہنچانا، غرض کئی قسم کی ذمہ داریاں انجام دینا ہے۔ اگر انسان ہزاروں کی تعداد میں تسبیح کرتے بیٹھ جائے، تو دوسری ساری ذمہ داریوں کو وہ پورا نہیں کر سکتا۔

اللہ کے رسول نے ذکرِ الٰہی کے لیے جو کلمات سکھائے، ان میں جن کو بار بار دہرانے اور ورد کرنے کے لیے کہا، انہیں کتنی مرتبہ پڑھا جائے؟ اس کے بارے میں صحیح حدیثوں میں زیادہ سے زیادہ سو تک کا ذکر آتا ہے۔ اس سے بڑھ کر نہیں۔ تو سو تک گنتی کرنے کے لیے ہاتھ کی انگلیاں ہی کافی ہیں۔

آخر میں ان تسبیح کے دانوں سے جو برے نتائج سامنے آرہے ہیں، ان پر بھی آپ غور کیجیے۔ جب بھی ان لوگوں کو دیکھیں، تو وہ تسبیح کے دانوں کو گھماتے رہیں گے۔ گویا وہ نقارہ بجاتے اور مشتہر کرتے پھرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ اس طریقے سے یہ ریاکاری کا سبب بن گیا۔

اسی طرح یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ جب دوسروں سے باتوں میں مصروف رہتے ہیں، اس وقت بھی تسبیح کے دانوں کو گھماتے رہتے ہیں۔ کیا بات کرتے ہوئے بھی تسبیح خوانی ہو سکتی ہے؟

بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب وہ تسبیح پھیرتے ہیں، اس موقع پر اگر کوئی ان کو سلام کرے، تو وعلیکم السلام کہہ کر سلام کا جواب نہیں دیتے۔ سر کی ایک حرکت ہی سلام کے جواب میں ملے گا۔ حالانکہ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ سلام کا جواب دینا فرض ہے۔

تسبیح خوانی کے لیے تسبیح دانے کا استعمال دین میں ایک نئی ایجاد یا غیروں کی نقالی ہے، جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا۔ لیکن افسوس کہ آج وہی عمل مقدس بن گیا ہے۔ یہ سب تسبیح کے دانے کے برے نتائج ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تسبیح کے دانے کا استعمال نبی ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا۔ علاوہ ازیں اس کے برے نتائج سامنے آرہے ہیں۔ نیز یہ غیروں کی نقالی بھی ہے۔ اس لیے ہم کو تسبیح دانے سے بچنا چاہیے۔ اس کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

6۔ تبلیغی جماعت

مسلمانوں کے درمیان جو جماعت سب سے زیادہ اثر ورسوخ رکھتی ہے وہ تبلیغی جماعت ہے۔ چنانچہ اس جماعت کے بارے میں بارہا سوالات کیے جاتے ہیں۔ جیسے کیا ہم تبلیغی جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں؟ کیا اس کے اصول وضوابط اسلامی تعلیمات سے مطابقت رکھتے ہیں؟ چالیس روز (ایک چلہ)، یا چار ماہ، یا ایک سال کے لیے اپنا سارا کام کاج چھوڑ کر شہر شہر، گاوں گاوں، اور قریہ قریہ جا کر لوگوں کو نماز کی طرف بلانا کیسا ہے؟ غرض اس قسم کے بہت سے سوالات آتے رہتے ہیں۔ اس لیے اس کے متعلق تفصیل کے ساتھ جاننا ضروری ہے۔

دین اسلام کے بارے میں جاننے، دوسروں کو سکھانے، جہاد کرنے، اور حلال طریقے سے روزی کمانے کے لیے، بلکہ دوسری ضروریات کے لیے بھی سفر کر سکتے ہیں۔ دین اسلام اس طرح سفر کرنے سے نہیں روکتا۔ بلکہ اس کی اجازت دیتا ہے۔

جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چند باتیں معلوم کرنے کے لیے اللہ کے حکم سے خضر علیہ السلام سے ملنے اور ملاقات کرنے کے لیے سفر کیا، جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: سورۃ الکہف 18: آیت نمبر 60 تا 82۔ صحابہ کرام نے تو صرف دین کا ایک مسئلہ جاننے کے لیے شہر مکہ سے مدینہ طیبہ کا سفر کیا ہے (بخاری: 88، 2640)

ان تمام دلیلوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اچھے کاموں کے لیے سفر کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں اور بھی کئی ثبوت ہیں۔ اس لیے اس بنیاد پر کہ سفر کر سکتے ہیں یا نہیں، بحث کرنا ٹھیک نہیں۔ اس کے بجائے یہ سفر جس مقصد کے لیے اختیار کیا جاتا ہے، اس کو بنیاد بنا کر غور کرنا ہے کہ تبلیغی جماعت ٹھیک ہے یا نہیں؟

جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ ''تم، لوگوں کو کس لیے بلاتے ہو''؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ''ہم نماز کی طرف دعوت دینے کے لیے لوگوں کو بلا رہے ہیں''۔

یہ حقیقت ہے کہ وہ نماز جیسے اہم فریضہ کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں، اس کے لیے اپنا خاص پیسہ خرچ کر کے سفر کرتے ہیں۔

اسی طرح اس کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ بڑائی چاہنے والے اور مغرور قسم کے لوگ بھی تبلیغی جماعت کے ذریعے اپنی اصلاح کر چکے ہیں۔ اور بڑے مالدار بھی اس جماعت میں جاتے وقت کھانا وغیرہ پکانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ تہجد اور چاشت کی نماز وغیرہ پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور سینما دیکھنا چھوڑ دیتے ہیں۔

یقیناً یہ ایسی تبدیلیاں ہیں جو قابلِ ستائش ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم مذکورہ خوش آیند پہلوؤں کی وجہ سے تبلیغی جماعت کی مکمل طور سے تائید بھی نہیں کی جا سکتی۔

کیونکہ اس جماعت میں دین کے خلاف کئی کام ہو رہے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ یہ لوگ اپنے ساتھ بستی بستی لے جانے والوں کو کس کتاب کی تعلیم دیتے ہیں؟ ان کی تعلیمی

اوقات میں قرآن کی تفسیر یا اس کا ترجمہ، یا احادیث صحیحہ پڑھ کر سناتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

نہ صرف یہ کہ پڑھا نہیں جاتا، بلکہ ان کو پڑھنے سے کھلم کھلا روکا بھی جاتا ہے۔ کیا قرآن اور احادیث کے پڑھنے سے روکنے والی جماعت کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے؟

اللہ کا کلام اور اس کے رسول کی تعلیمات کو روکنے کے بعد، اس صدی کے ایک آدمی کی لکھی ہوی کتاب ہی کو پڑھنا اور پڑھانا دستور العمل قرار دیا گیا ہے۔ جانکاری رکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اس کتاب کے مصنف اور تبلیغی جماعت کے بانی کے درمیان ''داماد اور سسر'' کا جو رشتہ ہے اسی کی بنیاد پر اس کتاب کی تعلیم کو لازم قرار دے دیا گیا ہے۔

اگر یہ دیکھا جائے کہ یہ کتاب کیا اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے؟ تو بہت مایوسی ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآنی تعلیمات سے ٹکرانے والے کئی واقعات اس کتاب میں درج ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے نام پر گھڑی ہوی جھوٹی خبروں کی بھی اس میں کوئی کمی نہیں۔ بزرگوں کے نام پر بناوٹی کہانیاں بھی بے حساب بھری پڑی ہیں۔ کیا ایسی کہانیوں کو جاننے کے لیے سفر کیا جاسکتا ہے؟

اسلام کی تعلیم یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے محنت کرے۔ نیز گھر والوں کے حقوق بھی ادا کرے۔

حضرت عبداللہ بن عَمرو نامی ایک صحابی نے اپنی بیوی کا خیال نہ رکھا۔ بلکہ وہ ہر دن روزہ رکھتے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ جب اس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کو خبر پہنچی، تو آپ ﷺ ان کے پاس گئے اور فرمایا: ایسا مت کرو، نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی، روزے بھی رکھو، اور روزے کے بغیر بھی رہو۔ کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے۔ اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ اور تم سے ملاقات کے لیے آنے والوں (یعنی مہمانوں) کا بھی تم پر حق ہے۔ اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔

(بخاری:1975، 6134)

حضرت ابو جُحیفہؓ نے بیان کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سلمان فارسیؓ اور ابو درداءؓ میں (ہجرت کے بعد) بھائی چارہ کرایا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سلمانؓ، ابو درداءؓ سے ملاقات کے لیے گئے۔ تو (ان کی عورت) اُمِّ درداء کو بہت پھٹے پرانے لباس میں دیکھا۔ ان سے پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ اُمِّ درداءؓ نے جواب دیا: ''تمہارے بھائی ابو درداءؓ ہیں، جن کو دنیا میں (میری) کوئی حاجت ہی نہیں ہے''۔ پھر ابو درداء بھی آ گئے اور ان کے سامنے کھانا حاضر کیا، اور کہا کہ: ''کھانا کھاؤ''۔ انہوں نے کہا: ''میں تو روزے سے ہوں''۔ اس پر حضرت سلمانؓ نے کہا: میں بھی اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا، جب تک تم خود بھی شریک نہ ہوگے۔ پھر وہ کھانے میں شریک ہوگئے (اور روزہ توڑ دیا)۔ جب رات ہوئی، تو ابو درداء عبادت کے لیے اٹھے۔ سلمان نے کہا: ابھی سو جاؤ۔ وہ سو گئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ پھر نماز کے لیے تیار ہونے لگے۔ تو پھر سلمانؓ نے کہا: ''سو جاؤ''۔ جب رات کا آخری حصہ ہوا، تو سلمان نے کہا: اچھا اب اٹھ جاؤ۔ چنانچہ دونوں نے نماز پڑھی، اس کے بعد سلمان نے کہا: تمہارے پروردگار کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے۔ اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ اس لیے ہر حق والے کے حق کو ادا کرنا چاہیے''۔ پھر ابو درداء نبی ﷺ کے پاس آئے۔ اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''سلمان نے سچ کہا''۔ (بخاری:1968، 6139)

جب چلہ کے لیے بلایا جاتا ہے، تو ان سارے حقوق اور ذمہ داریوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ان حقوق کو قابلِ اعتنا ہی نہیں سمجھتے۔ ان کو اس حد تک اکسایا جاتا ہے کہ وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے یہ کہہ کر منہ پھیر لیتے اور چلہ کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کہ ''اللہ دیکھ لے گا''۔

''اللہ دیکھ لے گا'' کا معنی اگر وہی ہوتا، جو انہوں نے لیا ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ ہم پر

گھر والوں کا حق عائد کرتا؟ یہ بات وہ کیوں نہیں سمجھتے؟ اس لیے آپ سوچیے کہ یہ سفر جو ہم کو کئی فرائض اور حقوق سے منہ موڑنے اور اعراض کرنے پر ابھارتا ہے، کیا صحیح ہوسکتا ہے؟

تبلیغی بھائیوں کا بھروسا ہے کہ اللہ دیکھ لے گا۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ اس بات میں سچے ہیں؟ دراصل اس معاملے میں یہی لوگ بہت کم بھروسا کرتے ہیں۔ کوئی بھی تحریک ہو یا کوئی بھی شخص سفر میں جاتے وقت کھانے پینے کے لیے برتن، دیگچی، پتیلی، کفگیر، اور چولہا وغیرہ لے کر نہیں جاتا۔ لیکن یہ لوگ کھانا پکانے، اور روٹی شوربہ وغیرہ بنانے اور کھانے کے لیے ضرورت کی ہر چیز اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ یعنی ان کا اللہ پر بھروسا ایسا ہے گویا وہ صرف کھانے کا معاملے میں نہیں دیکھتا۔

اس جماعت میں ایسی باتیں بتائی جاتی ہیں کہ مسلمانوں کے احساسات اور بہادری کے جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔

صحابہ کرام نے اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد کا جو سفر کیا اور اس کے لیے جو صعوبتیں برداشت کیں، ان تمام کو یہ تبلیغی حضرات اپنے اس تبلیغی سفر کو قرار دیتے ہیں، جس میں یہ اپنے ساتھ کھانے کی چیزوں کو لیے پھرتے ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ جہاد کے سلسلے میں جو ترغیبی احادیث آتی ہیں ان سب کو یہ اپنے سفر پر چسپاں کرتے ہیں۔

ان لوگوں کو اس طرح تعلیم دی جاتی ہے کہ گھٹنوں کے نیچے تک جبہ پہن کر، ہاتھ میں تسبیح کے دانے گھماتے ہوئے مسجد کے کسی کونے میں، یا کسی ستون سے ٹیک لگائے بیٹھے رہنا ہی عین اسلام ہے۔ غرض اسلام کی شکل کو بگاڑنے، اس کی صورت مسخ کرنے اور مسلمانوں کو بزدل بنا کر بٹھا دینے والی یہ جماعت کس طرح ایک صحیح جماعت ہوسکتی ہے؟

اسلام یہ حد بتا چکا ہے کہ آدمی کی تعظیم زیادہ سے زیادہ کس حد تک ہو، اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ مگر یہاں اس حد کو دین کے نام سے توڑا جا رہا ہے۔

فرقۂ شیعہ (شیعوں) میں جس طرح مذہبی لحاظ سے صدر کا عہدہ بنایا گیا ہے، اسی طرح تبلیغی جماعت میں بھی صدر کا منصب بنایا گیا ہے۔ اور اس صدر ہی کو ''حضرت جی'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور ''حضرت جی'' کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسی تعظیم صحابۂ کرام نے بھی اللہ کے رسول ﷺ کی نہیں کی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بیان کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ (حج کے موقع پر) پانی پلانے کی جگہ تشریف لائے۔ اور پانی مانگا۔ (عباسؓ، نبی کے تایا تھے، ان کی سرپرستی میں سب کو پانی دیا جارہا تھا)۔ عباسؓ نے (اپنے چھوٹے بیٹے) فضل کو بلا کر کہا: ''گھر جا کر اپنی ماں سے رسول کے لیے پینے کا پانی لے آ''۔ فوراً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے یہی پانی پلاؤ''۔ عباس نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! لوگ اپنا ہاتھ اس میں ڈال چکے ہیں''۔ اس کے باوجود آپ نے فرمایا: ''(کچھ پرواہ نہیں) مجھے یہی پانی پلاؤ''۔ چنانچہ آپ نے وہی پانی پیا۔ پھر زمزم کے مبارک کنویں کے قریب آئے۔ کچھ لوگ اس کنویں سے پانی اٹھا رہے تھے اور لوگوں کو پانی پلانے کا کام وغیرہ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے (انہیں دیکھ کر) فرمایا: ''یہ کام کرتے جاؤ۔ تم ایک اچھے کام ہی پر لگے ہو''۔ پھر فرمایا: (اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ لوگ) تم کو پریشان کر دیں گے، تو میں بھی (اس کنویں میں) اترتا، اور پانی میرے اس کاندھے پر رکھ لیتا، اور لوگوں کو پانی پلاتا۔

(بخاری:1635)

اس واقعے میں جو بات قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ دوسرے لوگ جو پانی پیتے ہیں وہی پانی اللہ کے رسول ﷺ نے بھی مانگا۔ اپنے لیے خصوصی انتظام کو بالکل پسند نہیں کیا۔

رسول ﷺ کا اپنے تایا کے گھر سے اچھا پانی حاصل کر کے پینا اگرچہ کوئی بری بات نہیں، اس کے باوجود لوگ جو پانی پی رہے تھے اسی کے پینے پر آپ ﷺ نے اصرار کیا۔ حالانکہ آپ ﷺ کو مناسب وجہ بھی بتایا گیا کہ یہاں کے پانی میں مختلف قسم کے لوگ ہاتھ ڈال چکے ہیں۔ اس

کی پرواہ کیے بغیر پھر بھی آپ ﷺ نے اسی کو مانگا اور پیا بھی۔ یہ ہے سادگی کی مثال۔

اس کے مقابلے میں تبلیغی جماعت کی اجتماعات میں حضرت جی اور اہم سربراہوں کے لیے الگ سے خصوصی کھانا پیش کیا جاتا ہے۔

خاص اہتمام کے ساتھ ایسا ماحول بنادیا گیا جس سے یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ حضرت جی، عام لوگوں کی طرح نہیں ہیں۔ نیز ایسی حالت بھی پیدا کردی گئی ہے جس سے صدر کے منصب پر وہی شخص آسکتا، اور وہی حضرت جی بن سکتا ہے جو بانیِ تبلیغی جماعت کے وارث میں سے ہو۔

ان کی مجلس بھی شاہی دربار کی طرح ہوتی ہے۔ اونچا گدیلا، موٹے موٹے گاؤ تکیے، بدن دبانے کے لیے نوجوان لڑکوں کی حاضری۔

غرض حضرت جی کے منصب پر فائز ہونے والے کی اس طرح تعظیم کی جارہی ہے، جس طرح دیگر مذاہب میں اوتار اور مانا ہوا استاد (جگت گرو) کی تعظیم کی جاتی ہے۔

اجتماعات میں دیکھے ہوں گے کہ کتنے ہی لوگ حضرت کے آنے سے پہلے ہی راستہ بنانے کے لیے یہ کہتے ہوں گے کہ ''ہٹو، ہٹو، حضرت جی آرہے ہیں۔ راستہ چھوڑو''۔

اور کتنے ہی لوگ یہ بات مانتے اور دوسروں سے کہتے بھی ہیں کہ ''انہیں (حضرت جی کو) ہاتھ لگاؤ، ایک بار تو چھولو، تمہارے سارے گناہ دُھل جائیں گے''۔

سن 1990 عیسوی میں منعقدہ ڈنڈوکل کی تبلیغی اجتماع کے لیے جمعہ کے بیان کے علاوہ مسجد کی نوٹس بورڈ اور دور رہنے والوں کو پوسٹ کارڈ کے ذریعے دعوت دی گئی۔ اس میں سب سے زیادہ اہمیت اس بات کو دی گئی تھی کہ ''حضرت جی کی دعا کے لیے آؤ''۔ اس طرح وہاں ہونے والے بیانات سے بھی بڑھ کر ان کی دعا میں شریک رہنا ہی اس اجتماع کا مقصد قرار پایا۔ اور بہت سارے لوگ ایسے بھی ہیں جو صرف ان کی دعا کے وقت جا کر شامل ہوجاتے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ کس نے کہہ دیا کہ دنیا میں رہنے والوں میں یا خاص کر ہندوستان کے مسلمانوں میں صرف یہی

آدمی اللہ کے پسندیدہ اور مقرب بندے ہیں؟

نیز اللہ کی طرف سے یہ کس نے ضمانت دی کہ حضرت جی اگر دعا کر دیں، تو وہ قبول کر لی جائے گی، رد نہیں ہوگی۔

علاوہ ازیں ان لوگوں نے یہ کس طرح پہچان لیا کہ ان کی دعا میں عجیب تاثیر پائی جاتی ہے؟ اس طرح دینی نقطہ نظر سے بہت سی خامیاں اور نقص پائے جاتے ہیں۔

☆ فرمانِ رسول کے مطابق اگر تم کو ایک آیت معلوم ہو، دین کی ایک بات جانتے ہو، ایک مسئلہ سے واقف ہو، تو بھی اس کو دوسروں تک پہنچانا چاہیے۔ مگر یہ تبلیغی جماعت سے جڑے ہوے لوگ پروہت کی وکالت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ احکام ومسائل کے بارے میں عُلما (مولوی حضرات) ہی بتائیں گے۔

☆ یہ لوگ کہتے رہتے ہیں کہ ''نیکی کا حکم دینا چاہیے اور برائی سے روکنا چاہیے''۔ اس کے باوجود یہ لوگ کسی برائی سے نہیں روکتے، اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے، بلکہ اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ نیک کاموں میں بھی صرف ایک دو نیکیوں کے بارے میں کہتے ہیں۔ بقیہ بے شمار نیکیوں کے متعلق کچھ کہے بغیر، خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔

اس طرح تبلیغی جماعت کی برائیاں ایک ایک کر کے گنتے چلے جا سکتے ہیں۔

7۔ کیا جِنّ کو قابو میں کیا جا سکتا ہے؟

علماے دین میں سے بعض کا کہنا ہے کہ سورۂ جِن کو اگر چالیس دن تک ناغہ کے بغیر، روزانہ پابندی کے ساتھ پڑھا جائے، تو جِنّ کو قابو میں کیا جا سکتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کریم میں جس طرح ''جِنّ'' کے نام سے ایک سورت ہے، اسی طرح قرآن میں ''ہاتھی، چیونٹی، شہد کی مکھی، مکڑی، گائے، عورتیں اور انسان کے نام سے بھی

سورتیں پائی جاتی ہیں۔تو کیا ان سورتوں کو پڑھنے سے ان سب کو قابو میں کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں چونکہ سورۂ جِنّ میں جنّوں کے بارے میں ذکر آیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام جِنّ رکھا گیا۔اس وجہ سے نہیں کہ اس کو قابو میں کیا جا سکتا ہے؟

جنوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی طرح علم و آگاہی سے نوازا ہے۔البتہ ان کی طاقت و قوت انسان سے بہت زیادہ ہے۔تو یہ سمجھنے کی بات ہے کہ علم وفہم اور طاقت وقدرت رکھنے والی ایک مخلوق (یعنی جِنّ) کو، اس سے بھی کم طاقت رکھنے والا (آدمی) کس طرح اپنے قابو میں کرسکتا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے؟

اللہ تعالی نے جنوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے قابو میں کر دیا تھا اور اس بات کو خصوصی اعزاز اور خاص فضل کے طور پر ذکر بھی قرآن مجید میں کیا ہے۔اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نبی کے سوا دوسرا کوئی، جنوں پر قابو نہیں پا سکتا۔ان کو اپنے کنٹرول میں نہیں لاسکتا۔ اس کے متعلق قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا، جس کی روانگی ایک مہینہ ہے۔اور اس کی واپسی ایک مہینہ ہے۔اور ان کے لیے ہم نے (پگھلے ہوئے) تانبے کا چشمہ بہا دیا۔اور جِنّوں میں ایسے بھی تھے جو اپنے پروردگار کی مرضی کے مطابق ان کے پاس کام کرتے تھے۔اور جو کوئی ہمارے حکم سے سرتابی کرے، اس کو ہم بھڑکتی ہوی آگ (یعنی دوزخ) کے عذاب کا مزا چکھائیں گے۔سلیمان جو چاہتے، وہ (جنّات) ان کے لیے بناتے تھے، یعنی محلات مجسمے، حوض جیسے لگن، ایک جگہ جمی رہنے والی بھاری دیگیں۔(ہم نے کہا کہ) اے داؤد کے خاندان والو! شکر کے ساتھ عمل کرو۔اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہیں''۔

(سورہ سبا34: آیت 12، 13)۔

اللہ نے جِنّوں کو یہ خصوصی حکم دیا تھا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے

پابند رہیں ۔ اگر نافرمانی کریں گے، تو میں جہنم میں ڈالوں گا۔اس لیے وہ جنات سلیمان علیہ السلام کے مطیع اور فرمانبردار رہے۔ان کے سوا جنات کو دوسروں کی فرماں برداری اور اطاعت کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا گیا۔

اس لیے اللہ کی طرف سے یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے خصوصی رتبہ اور اعزاز ہے۔ان کے سوا کوئی بھی عام طور سے کسی جنّ کو ہرگز قابو میں نہیں کر سکتا۔

اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ اس نے جن کو قابو میں کر لیا ہے، تو آپ اس کی بات میں نہ آیئے ۔اور سن کر دھوکا مت کھایئے ۔ بلکہ اس سے یوں پوچھیے کہ ''تو اگر سچ کہتا ہے، تو ایک ملک سے دوسرے ملک جانے کے لیے ہوائی جہاز کے بغیر، جنّ کی مدد سے یہ ثابت کر کے دکھا۔اسی طرح جس جنّ کو اپنے قبضے میں ہونے کا دعوا کرتا ہے، اس سے کہو کہ جنّ کے ذریعہ ایک محل بنا کر دکھائے ۔ کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ جنات ایسے کام کیے ہیں ۔ملاحظہ فرمایئے :

انہوں (یعنی سلیمان) نے سوال کیا: ''اے دربار یو! ان لوگوں کے فرماں بردار ہو کر میرے پاس آنے سے پہلے کون اس (ملکہ) کا تخت میرے پاس لے آئے گا؟'' عِفریت نام کا جنّ کہنے لگا کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے ہی میں اسے آپ کے پاس لے آتا ہوں ۔ میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار ہوں ۔ (سورۂ نمل 27: آیت 38، 39) ۔ جنات کی پرواز اور اڑان کے متعلق قرآن میں خود ان کی زبانی ذکر کیا گیا، ملاحظہ فرمایئے :

ہم نے آسمان کو ٹٹولا، تو اس کو سخت پہرہ داروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا۔(اس سے پہلے) ہم وہاں کئی جگہوں میں (خبریں) سننے کے لیے بیٹھ جایا کرتے تھے۔ (مگر) اب جو سننے کو کان لگاتا ہے، وہ اپنے لیے ایک شعلے کو تاک لگائے ہوئے پاتا ہے۔

(سورۂ جن 72: آیت 8، 9)

غرض مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات کو اتنی طاقت حاصل ہے

کہ کہیں دور رہنے والے تخت کو چند لمحوں میں لا کر حاضر کر دیں۔ اسی طرح ان جنات کو آسمانی دنیا کی حد تک اوپر جانے کی بھی قدرت حاصل ہے۔

اس لیے جو لوگ جنات کو اپنے قبضے میں رکھنے کا دعوا کرتے ہیں ان کو چاہیے کہ اپنے قبضے کے جنات کی مدد سے کرشمے دکھائیں۔ مثال کے طور پر وہ اپنے جنّ کو حکم دے کہ شہر کولار میں واقع سونے کی کان (گولڈ فیلڈ) میں داخل ہو کر، وہاں سے دس کلو سونا لے کر آئے، اور اس کا جنّ وہ کام کر کے دکھائے۔

جو شخص جنّ کو اپنی مٹھی میں رکھنے کا ڈھونگ رچاتا ہے، اس سے آپ کہیں کہ اپنے جنّ کی مدد اور طفیل سے جارج بش کو جو نسلِ انسانی کا دشمن ہے، پکڑ کر ہمارے پاس لے آئے اور دنیا والوں کا بھلا کرے۔

اگر کوئی شخص جنات کو اپنے قابو میں رکھتا ہو، تو ایسے کام وہ بڑی آسانی سے کر سکتا ہے۔ لیکن یہ دھوکے باز لوگ ان میں سے کوئی ایک کام بھی نہیں کروا سکتے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کو اگر دھکّا دے کر نیچے گرا دیں، گھونسا ماریں، اور زدوکوب کریں، تو بھی یہ لوگ اپنے جنات کے ذریعے اپنا بچاو نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حقیقت میں ان کی ماتحتی میں کوئی جنّ ہے ہی نہیں۔

بہر حال یہ مکّار لوگ آپ کا مال چھیننے کے لیے جنّ کے نام سے ناٹک کر رہے ہیں۔ اس لیے آپ ان دغابازوں کے قبضے میں جو ایک وقت کا کھانا اور دس بیس روپیے کے لیے ہاتھ پھیلاتے ہیں، جنّ ہونے کا یقین نہ کیجیے، اپنے ایمان کی حفاظت کیجیے اور عقل سے کام لیجیے۔

8۔شگون لینا

کچھ لوگ اپنے کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کے سلسلے میں مناسب وقت معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اوران کا پورا دارومدار وقت ہی پر ہوتا ہے۔ بسا اوقات وہ مبارک گھڑی ستاروں کے ذریعے (؟) معلوم کرتے ہیں، کبھی فال نکالتے ہیں، اور کبھی کسی اور طریقے سے اپنی قسمت جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ اعتقاد غلط ہے۔ دین اسلام اس طرح شگون لینے سے ہم کو پوری طرح روکتا ہے۔

دنوں میں کوئی مخصوص دن، اور رات دن کے اوقات میں کوئی مقررہ وقت ایسا نہیں ہے جو سب کے لیے یکساں فائدہ منداور نفع بخش ہو۔ اسی طرح کوئی وقت ایسا نہیں جو تمام لوگوں کے لیے نقصان دہ اور ضرر رساں ہو۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دن اور رات کے سارے ہی اوقات ایسے ہیں جن میں کچھ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور کچھ لوگ نقصان۔

اگر کوئی مخصوص دن واقعی اچھا دن ہوتا، تو اس دن کسی کو موت نہیں آتی، حادثہ نہیں ہوتا، کسی کو بیماری اور مرض لاحق نہیں ہوتا۔ اور اس دن کوئی رنج وغم، بے چینی اور پریشانی واقع نہیں ہوتی۔ حالانکہ ایسا کوئی دن نہیں جس میں موت نہ آتی ہو، حادثہ نہیں ہوتا ہو، اور رنج وغم کے واقعات پیش نہ آتے ہوں۔ بلکہ ہر دن موت کے کئی واقعات پیش آتے ہیں اور رنج وغم کے مختلف حادثات رونما ہوتے ہیں۔

جس دن کو بعض لوگ ناموافق اور برا سمجھ کر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں، اسی دن میں دوسروں کو اولاد نصیب ہوتی ہے، آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور کتنے ہی لوگ اسی دن میں مال دار اور صاحبِ حیثیت ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا دنوں کی حقیقت سمجھنے کے لیے اسلامی تاریخ کی ایک مثال پیشِ خدمت ہے۔ ماہِ

محرم کی دسویں دن جس میں فرعون ہلاک ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کو نجات ملی۔ (بعد کے دور میں) اسی ماہِ محرم میں دسویں تاریخ کو حضرت حسینؓ کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔

اب اس دن کو کیا کہا جائے گا؟ آیا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملنے پر اس دن کو اچھا دن کہا جائے؟ یا حسینؓ کے قتل کیے جانے کی وجہ سے اس دن کو برا دن قرار دیا جائے؟

اس تاریخی واقعے سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ دنوں کا، اچھے اور برے کاموں کے رونما ہونے سے کوئی ربط اور تعلق نہیں ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے۔ ذیل کی قرآنی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: ''ہم اس زمانے کو لوگوں میں پھراتے رہتے ہیں''۔ (آلِ عمران 3: آیت 140)

پہیے کے گھومنے اور پھرنے کی وجہ سے اس کا نچلا حصہ اوپر آجاتا ہے، اور اوپر کا حصہ نیچے چلا جاتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اسی کی وضاحت کرتا ہے کہ ہم زمانے کو گھماتے ہیں۔ اس کو پھرا کر نیچے رہنے والوں کو اوپر پہنچاتے اور اوپر والوں کو نیچے اتارتے ہیں۔

اس موقع پر تقدیر کے بارے میں بتانا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو جن باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے، ان میں سے ایک تقدیر بھی ہے۔ تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ دل سے سچ مان کر زبان سے اقرار کرنا کہ جو کچھ اچھا اور برا ہوتا ہے سب اللہ کی طرف سے ہے۔ مسلمان اگر فال کھولے، اچھا دن اور اچھا وقت دیکھے، اور شگون لے، تو یہ خود اپنے اس عہد و اقرار کے خلاف ہے۔

اگر کوئی دن یا کوئی وقت اچھا یا برا ہے، تو اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ اگر وہ کسی کو بتائے، تو معلوم ہوگا۔ نہ بتائے، تو کوئی بھی معلوم نہیں کرسکتا۔ اس کے بتائے بغیر، کسی کو بھی اس کی جانکاری ہرگز نہیں ہوسکتی۔

فلاں فلاں دن کے اچھے ہونے کے بارے میں نہ تو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں کوئی

ذکر کیا، اور نہ اس کے رسول محمد ﷺ نے اس کی بابت کچھ فرمایا۔ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی نے اس کے تعلق سے کچھ نہیں بتایا، تو دوسرے لوگ اس کو کیسے جان سکتے ہیں؟!

ہم ہی جیسا ایک آدمی اندازہ لگاتا اور فیصلہ کرتا ہے کہ فلاں فلاں دن، فلاں شخص کے لیے اچھے ہیں۔ لوگ اس کے پاس جا کر، یا اس کی لکھی ہوی کتاب پڑھ کر کسی دن کا انتخاب کرتے ہیں۔ یہاں پر یہ بات قابلِ غور ہے کہ ہم ہی جیسا ایک آدمی کس طرح جان لیا کہ فلاں دن اور فلاں وقت اچھا ہے!! کیا آپ اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے؟

مستقبل کی خبریں بتانے کا دعوا کرنے والا اور نُجومی (جوتشی) وغیرہ اصل میں ایک ہی ہیں۔ لوگ اس طرح کے کاہن (؟) کے پاس یا کسی حضرت کے پاس جا کر پوچھتے ہیں کہ ہمارے لیے اچھا دن کونسا ہے؟ اور وہ آدمی بھی اندازے سے کوئی ایک دن بتا دیتے ہیں۔ تو لوگ اس پر بھروسا کرتے ہوئے مطمئن ہو کر اپنا کام انجام دیتے ہیں۔

تقدیر پر ایمان رکھنے والے مسلمانوں کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ بہت ناراض اور غضب ناک ہوتا ہے۔ اس کے متعلق حدیثیں ملاحظہ فرمایئے: اللہ کے رسول محمد ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی عرّاف (غیبی امور جاننے کے دعوے دار) کے پاس جا کر اس سے کسی چیز کی بابت پوچھے اور اس کی (من گھڑت) باتوں کو سچ مانے، تو اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں کی جائے گی۔ (حدیث کی کتاب: مسلم، حدیث نمبر 4137)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی کسی کاہن کے پاس جائے، اور وہ جو کچھ کہتا ہے اس کو سچ مان لے، تو اس نے اس دین کا انکار کر دیا جو محمد پر نازل کیا گیا۔ (احمد، حدیث نمبر 9171)

یہاں پر ایک اور بات بھی قابلِ ذکر ہے، وہ یہ کہ دنیا والوں کے لیے اچھے دن کی خبر دینے والے یہ پجاری، سنیاسی، نجومی، حضرت اور بابا کی زندگی اور ان کی مالی حالت دیکھیے۔ تو آپ کو پتا چلے گا کہ یہ لوگ غربت و افلاس میں پھنسے ہوئے ہیں اور عوام سے بھیک مانگ کر

کھا رہے ہیں۔

کیا ان لوگوں نے اپنے لیے ایک اچھے دن کا انتخاب کر کے زندگی میں ترقی کی ہے؟ کیا انہوں نے اچھا وقت دیکھ کر اپنی زندگی کو خوش حال اور فارغ البال بنالیا ہے؟ ایسا نہیں ہوا۔ تو کیا اس سے یہ بات کھل کر سامنے نہیں آ گئی کہ یہ کام، فریب، دھوکے بازی اور دغابازی کے سوا کچھ نہیں۔

یہ بابا، نجومی اور کاہن جو دوسروں کے لیے اچھا اور برا وقت بتاتے ہیں، خود ان کو پتا نہیں کہ ان کے لیے برا وقت کونسا ہے؟ ان کو مصیبت کب آئے گی؟ ہم اخباروں میں بار بار پڑھتے رہتے ہیں۔ جیسے بس کے سفر میں بابا کا جیب کتر لیا گیا اور سیل فون غائب ہو گیا۔ لطف تو یہ ہے کہ ایک نجومی کے گھر میں چوری ہو گئی۔ اس نے پولیس اسٹیشن میں شکایت درج کی۔ اسی طرح چند ماہ پہلے کی خبر ہے کہ ایک کاہن جس درخت کے نیچے بیٹھ کر لوگوں کے لیے اچھا اور برا وقت بتاتا رہا، وہی درخت اس پر گر پڑا اور وہ اسی وقت مر گیا۔ اس طرح ان کا پول کھل گیا۔ اور حقیقت ظاہر ہو گئی کہ ان میں کوئی بھی غیب کی بات یا اپنے لیے برا وقت کب ہے، نہیں جانتا۔

غرض مسلمانوں کو جو بھی اچھا کام کرنا ہے، اس کے لیے دن اور وقت دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ جب سہولت ہو کریں، اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اس کے برخلاف ستاروں کی گردش کو جاننا، اس کی بنا پر کسی کام کو ٹالنا، کسی اور دن کا انتخاب کرنا، فال کھولنا، اور شگون لینا وغیرہ بدعقیدگی اور غلط اعتقاد ہے۔ مسلمانوں کو ان سب سے بچے رہنا ضروری ہے۔

9۔قبر کا عذاب

آدمی کو مرنے کے بعد قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ اگر وہ گنہ گار ہے، تو قبر میں عذاب ہوگا۔ دفن کے بجائے اس کو جلا دیا گیا ہو، اور وہ مردہ جل کر راکھ ہو گیا ہو، تو اس کو قبر کا عذاب کیسے ہوگا؟ اسی طرح جس کی لاش سمندری مخلوق کھا جائیں اور وہ ان کی غذا بن جائے، یا جس کو جنگلی جانور مار ڈالے اور اس کو وہاں کے درندے اور کیڑے مکوڑے کھا کر ہضم کر دیں، تو اس قسم کے لوگوں کو عذاب قبر کیسے ہوگا؟ یہ خیال عام طور پر لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔

چونکہ بہت ساروں کو قبروں میں دفنایا جاتا ہے، اس لحاظ سے قبر کی زندگی اور قبر کا عذاب کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عذاب، مٹی کے اندر قبر ہی میں ہوتا ہے۔ ہم جو اس طرح کہہ رہے ہیں اس کے لیے قابل قبول اور انصاف پر مبنی وجوہات ہیں۔

مسلمان ہو یا غیر مسلم سبھی لوگوں کو قبر کی زندگی سے گزرنا ہوگا۔ کئی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کو بھی قبر میں عذاب دیا جائے گا۔

(دیکھیے حدیث کی کتاب: بخاری، حدیث نمبر 1207، 1252)

اگر یہ کہا جائے کہ جن لوگوں کو قبر میں دفن کیا گیا ہے، انہی کو قبر میں عذاب ہوگا، تو غیر مسلموں کی اکثریت اس عذاب سے بچ جائے گی۔ کیونکہ ان کو قبر میں دفن نہیں کیا جاتا، بلکہ جلا کر راکھ بنا دیا جاتا ہے۔

جو پروردگار، گنہ گار مسلمانوں کو قبر میں عذاب دیتا ہے، وہ گنہ گار غیر مسلموں کو اس طرح کا عذاب نہ دے، تو یہ اس کے قانون، اور عدل و انصاف کے خلاف ہے۔ برابر کا فیصلہ اور سزا کے لحاظ سے یہ بات قابلِ قبول نہیں۔

اس موقع پر ایک قرآنی آیت پیش کرنا مناسب رہے گا جس سے ہم کو قبر کی زندگی کے

سلسلے میں رہنمائی ملتی ہے۔ملاحظہ فرمایئے:

آخر کار ان میں سے کسی کو جب موت آئے گی، تو وہ کہے گا: ''اے میرے پروردگار! مجھے واپس بھیج دے، تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کرلوں۔ ویسی بات نہیں، یہ صرف (خالی خولی) بات ہے، جسے وہ کہہ رہا ہے۔ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک ان کے پیچھے ایک آڑ ہے۔(دیکھیے قرآنِ کریم کی سورۃ المؤمنون 23: آیت نمبر 99،100)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کے عذاب سے مراد آڑ (پردے) کے پیچھے والی ایک زندگی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ عذاب والی زندگی، زمین کے اندر قبر ہی میں واقع ہوگی۔

یہ بات سمجھنے کے لیے ایک ہی قبر میں مدفون دو مُردوں کی مثال دی جاسکتی ہے۔یعنی یوں سمجھیے کہ ایک نیک آدمی کو جس جگہ پر دفن کیا گیا تھا، چند سالوں کے بعد اسی جگہ پر ایک برے آدمی کو دفن کیا جاتا ہے۔تو اب یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ پہلے اس جگہ پر ایک نیک آدمی کو دفن کیا گیا تھا۔اس لیے کیا قبر میں عذاب نہیں ہوگا؟ یا برے آدمی کو اسی جگہ پر دفن کیے جانے کی وجہ سے قبر میں عذاب دیا جائے گا؟ اس طرح یہاں ایک غیر واضح صورتِ حال اور اختلافِ رائے پیدا ہوتا ہے۔اس کا حل ذیل کی آیت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ جانوں (روحوں) کو ان کی موت کے وقت، اور جن کی موت نہیں آئی، انہیں نیند کی حالت میں پورے طور پر لے لیتا ہے (قبض کر لیتا) ہے۔ پھر جس کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہو، اس کی روح کو (اپنے پاس) روک لیتا ہے۔اور دوسری روحوں کو ایک مقررہ وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں کئی نشانیاں ہیں۔

(سورہ الزمر 39: آیت 42)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ہر جان کو اللہ تعالیٰ اپنے قبضے میں رکھا ہے۔اس کو ہم اگر اس طرح سمجھ لیں کہ ہمارے حواس سے باہر، ایک غیر مرئی دنیا میں، ان جانوں کو برے ہونے کی

بنا پر تکلیف واذیت دی جاتی ہے، یا نیک ہونے کی باعث آرام وراحت مہیا کی جاتی ہے، تو یہ بات برقرار رہ جائے گی کہ کوئی بھی شخص قبر کی زندگی سے بچ نہیں سکتا۔ بلکہ ہر ایک کو اس مرحلے سے گزرنا ہی ہے۔

قبروں کی زیارت کرنا، قبر والوں کو سلام کرنا، اسی طرح عذابِ قبر میں مبتلا دو افراد کی قبروں کے پاس گزرتے وقت اللہ کے نبی ﷺ کا، کھجور کے درخت کی شاخ کو چیر کر ان دو قبروں پر نصب کر دینا وغیرہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مردے کو جہاں دفن کیا جاتا ہے، وہیں پر عذاب ہوتا ہے۔

اگر چہ یہ بات صحیح ہے، حدیث کی کتابوں میں صحیح سندوں سے ثابت ہے۔ مگر اس کو بنیاد کر اگر ہم یہ فیصلہ کر دیں کہ قبر ہی میں عذاب ہوتا ہے، تو غیر مسلم لوگ اس عذاب سے بچ جائیں گے۔ کیونکہ ان کی اکثریت مُردوں کو دفنانے کے حق میں نہیں ہیں۔

اس لیے ہم کو اس نتیجے پر پہنچنا چاہیے کہ جن کو قبر میں دفن کیا گیا ہے، ان کے لیے قبر والی زندگی وہیں سے شروع ہو جاتی ہے جہاں وہ مدفون ہیں۔ ان کے سوا جن مُردوں کو قبر میں نہیں دفنایا گیا، ان کے لیے دوسری طرح سے قبر کی زندگی کا اہتمام کرنا اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔

یا یہ بھی ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کے لیے مٹی کی اس دنیا سے الگ، ایک دوسری ہی دنیا میں قبر کی زندگی بنا دے، چاہے ان کو قبر میں دفن کیے ہوں، یا نہ کیے ہوں۔

چونکہ قبر ایک نشانی اور علامت ہے، اس لیے اللہ کے نبی ﷺ ان قبروں پر کھجور کے درخت کی شاخ گاڑ دیے ہوں گے۔ بہر حال کوئی بھی آدمی قبر کی زندگی سے بچ نہیں سکتا۔ اور اس سے کوئی مستثنا نہیں ہوسکتا۔

10۔قندوری

مسلمانوں کو جب کسی چیز کی اہمیت بتائی جائے، تو انہیں چاہیے کہ بتانے کا مقصد جان کر اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں، لیکن ریاستِ تمل ناڈو کے لوگ اس کی طرف توجہ کرنے کے بجائے الٹا اس کے نام پر جشن منانے میں دلچسپی لیتے ہیں۔

جب ان لوگوں کے پاس اللہ کے رسول محمد ﷺ کی اہمیت کے متعلق کہا جاتا ہے، تو ان کو کیا کرنا چاہیے؟ آپ ﷺ کی اہمیت جان کر آپ کی بات ماننا (اطاعت کرنا) اور آپ ﷺ کی پیروی کرنا چاہیے۔ لیکن افسوس کہ وہ اس کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔ بلکہ آپ ﷺ کے نام پر کس طرح جشن منایا جائے؟ اس کے بارے میں زیادہ سوچتے ہیں۔

اللہ کے چہیتوں (اولیا) میں سے بعض کا جنہوں نے دینِ اسلام کے لیے بڑی خدمات انجام دیں ہیں، جب ذکر کیا جاتا ہے، تو سننے والوں کے دلوں میں یہ خیال اور جذبہ پیدا ہونا چاہیے کہ ہم بھی اس طرح دین کی خدمت کریں گے۔ مگر لوگ اس خیال میں ڈھوبے ہوتے ہیں کہ ان کا جشن کس شان سے منایا جائے!

امام بخاریؒ نے صحیح حدیثوں کو جمع کرنے کے لیے جو قربانیاں پیش کیں، ان کا اگر ان لوگوں سے تذکرہ کریں، تو یہ لوگ اس سے حدیثوں کی اہمیت جاننے کے بجائے اس کے لیے بھی جشن منانا چاہتے ہیں۔ غرض جشن منانا ہی ان کا مقصد ہوتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے سے پہلے کتنے ہی انبیاے کرام گزرے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ نے کوئی جشن نہیں منایا۔ کسی قندوری کا اہتمام نہیں کیا، اور کھانا وغیرہ نہیں بانٹا۔

اس طرح شیطان نے یہ جال بچھا رکھا ہے کہ مسلمانوں کو جلسہ جلوس اور جشن وغیرہ میں مصروف رکھا جائے تا کہ مسلمان تمام فرائض سے منہ پھیر لیں، بلکہ انہیں ادا کرنے کی ضرورت

بھی محسوس نہ کریں۔

غرض ایسے جشن ہی کی وجہ سے یہ خیال جڑ پکڑنے لگا ہے کہ امام بخاری کے لیے قندوری کا التزام کرنا ہی حدیثوں کی تعظیم ہے۔ پھر الگ سے حدیثوں پر عمل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے نام نہاد جشنوں سے پوری طرح منہ پھیر لیں، اور ان سے اعراض کریں۔

11- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بدل میں 786 کا استعمال؟!

نیومرالوجی کے نام سے ایک فن ہے، جس میں انگریزی زبان کے حروف کے لیے خاص خاص نمبروں کا استعمال کیا جاتا ہے، جو ان حروف کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اسی طرح عربی زبان کے حروف کے لیے بھی بعض لوگ ان پر دلالت کرنے والے نمبرات کا استعمال کرنے لگے ہیں۔ جیسے ''الف'' کے لیے 1 نمبر ''ب'' کے لیے 2 نمبر، ''ج'' کے لیے 3 نمبر، ''د'' کے لیے 4 نمبر وغیرہ۔

کہا جاتا ہے کہ اس حساب سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں پائے جانے والے تمام حروف کے نمبرات کو اگر جمع کیا جائے، تو 786 کا عدد آئے گا۔ اس طرح عام لوگ اختصار کا خیال کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے 786 کا عدد استعمال کرتے آرہے ہیں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بات قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ محض نمبرات حروف کے بدل نہیں ہوسکتے۔ یہ بات سمجھنے کے لیے ذیل کی مثال پر غور کیجیے۔

کوئی شخص کسی دوسرے کو ''السلام علیکم'' کہنے کے بجائے، ان حروف کے حاصلِ جمع 238 کے عدد کا استعمال کرتے ہوئے کہے: ''238''، تو وہ اس کو سلام کا بدل نہیں مانے گا، جب

کہ حروف کے ذریعے سلام کرنے پر سننے والا اس کو سمجھتا ہے اور خوش ہو کر اس کا جواب بھی دیتا ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ نمبرات حروف کے متبادل نہیں ہوتے۔

اب قرآنِ مجید کی مثال لیجیے جس میں کل 114 سورتیں ہیں۔پہلی سورت ''الفاتحہ'' میں سات آیتیں ہیں، دوسری سورت میں کل 286 آیتیں ہیں۔اس طرح 114 سورتوں کی بھی کل آیتوں کو گنتی کر کے جمع کرتے جائیں گے،تو ان کا حاصلِ جمع 6236 آئے گا۔

اگر کوئی شخص قرآنِ کریم شروع سے لے کر آخر تک حسبِ موقع پڑھتے رہنے کے بجائے، اس کی پہلی سورت سے لے کر آخری سورت ختم ہونے تک جملہ حروف کے نمبرات جمع کر کے،صرف ان کا مجموعی نمبر ایک بار زبان سے کہہ دے،تو اس سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ اس نے پورا قرآن ایک مرتبہ پڑھ کر ختم کر لیا۔

جس طرح پورے کا پورا قرآنی حروف کے نمبرات کا حاصل جمع زبان سے کہہ دینے پر کوئی آدمی اس شخص کو قرآن پڑھنے والوں میں شمار نہیں کرے گا،اسی طرح کوئی 786 کا عدد زبان سے کہے یا قلم سے لکھے،تو اس کو بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنے یا لکھنے میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ اس 786 کے عدد کو لے کر یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ مخصوص عدد صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے لیے آتا ہے، بلکہ ایسے الفاظ کے مجموعی عدد کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے جس کا معنی بہت برا ہے۔اتنا ہی نہیں آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ ''ہرے کرشنا'' کے حروف کے نمبرات کو جمع کرتے جائیں گے،تو ان کا حاصلِ جمع بھی یہی 786 آئے گا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نام کے بجائے نمبر کا استعمال کرنا اچھی بات نہیں۔مثال کے طور پر عبدالغفور کو نام لینے کے بجائے،صرف ''618'' کہہ کر پکاریں،تو وہ اس طریقے کو ہرگز پسند نہیں کرے گا۔جب کوئی شخص اپنے نام کے بجائے نمبرات کو پسند نہیں کرے گا،تو اللہ کے نام کے لیے اس طرح کا کوئی نمبر متعین کرنا کیسے پسند کیا جا سکتا؟ بلکہ حقیقت میں یہ سراسر مذاق ہوگا۔

لہٰذا سچے مسلمان کے لیے یہی زیبا ہے کہ اللہ کے نام کو حروف میں جس طرح لکھا جاتا ہے اسی طرح لکھیں۔ مگر بعض لوگ اس بات کو پسند نہیں کرتے۔ اور اس سے روکنے کے لیے یہ عذر تلاش کرتے اور بہانہ بناتے ہیں کہ اللہ کا نام وغیرہ اگر غیر مسلم کے ہاتھ لگ جائے تو اس کی توہین ہوگی۔ اس کی پاکیزگی پر برا اثر پڑے گا۔ اور اس کا تقدس پامال ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ عذر قابلِ قبول نہیں۔

کیونکہ نبی سلیمان علیہ السلام نے ایک مشرکہ عورت کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے جو خط لکھا، اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: قرآنِ کریم کی سورۂ نمل 27: آیت 30)

نیز اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ نے کئی ملکوں کے بادشاہوں کے نام جو خطوط لکھوائے، ان کے آغاز میں بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا۔

(دیکھیے حدیث کی کتاب: بخاری حدیث نمبر 7، 2941، 4553)

اس لیے ہم کو بھی ہر وقت اسی طرح مکمل طور پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا چاہیے۔

12۔ درگاہ کی زیارت

اللہ کے نبی محمد ﷺ نے قبر کی زیارت کی اجازت دی۔ اور وہ اس لیے کہ قبر کی زیارت موت کو یاد دلاتی ہے۔ اس بنیاد پر ہم بھی قبروں کی زیارت کر سکتے ہیں۔

یہاں پر ایک بات یاد رہے کہ جو حضرات اولیا کے نام سے مشہور ہیں ان کی قبروں کی زیارت ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت ثابت بن ضحاکؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے نبی ﷺ سے کہا: ''میں نے نذر مانا ہے کہ بُوانہ کے مقام پر ایک اونٹ کی قربانی دوں گا''۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا: ''

وہاں کیا ایسی کوئی چیز ہے جس کی مشرک لوگ عبادت کرتے ہوں؟'' اس نے کہا: ''نہیں''۔ پھر آپ ﷺ نے دریافت کیا: ''کیا وہاں پر مشرک لوگ تہوار (عید) مناتے ہیں؟'' تو اس نے کہا کہ نہیں۔ تب اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''اپنا نذر پورا کر''۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر 2881)

اگر کسی نے اللہ کے لیے نذر مانا ہو، تو اس کو پورا کرنا فرض ہے۔ اور اس فریضہ کو جس مقام پر ادا کیا جاتا ہے، اس کے متعلق بھی آپ ﷺ نے واضح رہنمائی کر دی کہ وہاں پر مشرکوں کی کوئی عبادت یا ان کی کوئی عید وغیرہ نہ ہو۔

اور یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قبر کی زیارت فرض نہیں ہے، بلکہ نبی ﷺ کی ایک سنت ہے۔ اس سنت کو ادا کرنے کے لیے جس جگہ پر مشرک لوگ (قبر پرست) عبادت کرتے اور عید (عرس) مناتے ہیں، اس جگہ جانے سے احتراز کرنا چاہیے۔

موت کی یاد کے لیے ہی زیارتِ قبر کی اجازت دی گئی ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ مگر جن کو اولیا مانا جا رہا ہے ان کی قبر پر عالی شان عمارت، دل کو لبھانے والی تیز خوشبو، آنکھوں کو خیرہ کرنے والی سجاوٹیں، مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے چڑھنے والی مستی، نیز ناچ گانا، موسیقی اور قوالی کی مجلسوں کا انعقاد وغیرہ۔ کیا ان چیزوں کے ساتھ موت کی یاد آسکتی ہے؟ کیا ان کی موجودگی میں دنیا کی چندروزہ زندگی کا احساس پیدا ہوگا؟ ہرگز نہیں۔

جس مقصد کے لیے اللہ کے نبی ﷺ نے اجازت دی تھی، اگر وہ مقصد نہ پایا جائے، تو پھر اس کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟!

حد درجہ احترام کے ساتھ کھڑے ہونا، عجز وانکساری کے ساتھ جھکنا (رکوع کرنا)، اور سجدہ کرنا، اسی طرح دعا کرنا وغیرہ، صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ اس لیے اللہ کو چھوڑ کر کسی غیر کی قبر، یا کسی ولی کے لیے ایسا کرے تو یہ اللہ کے ساتھ شرک ہے جو بہت بڑا ظلم اور گناہ ہے۔ ایسے کام کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ اتنا ناراض اور غضب ناک ہوتا ہے کہ ان کے تمام نیک

کاموں کو برباد کر دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآنی آیتیں ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے: لقمان 31: آیت 13، النساء 4:48، 116، الزمر 39:65، المائدہ 5:72۔

آپ اولیا کی مزاروں اور درگاہوں میں دیکھیں گے کہ لوگ ان کی قبروں کے پاس جا کر ان کے لیے سجدہ بھی کرتے ہیں، اور ان کے آگے ہاتھ پھیلا کر ان سے دعائیں بھی مانگتے ہیں۔ یہ سب کھلم کھلا شرک نہیں تو اور کیا؟

☆ پھر فاتحہ کے نام سے دھوکا دہی، تبرک کے طور پر ولی کا چپل یا جوتا زائرین کے سر پر رکھنا، دین میں ممنوع اونچی اونچی قبریں، قبر پر لیپ پوت، قبر کے لیے پختہ عمارت، اس طرح کی اور بھی کئی برائیاں ان درگاہوں میں پائی جاتی ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے، تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو، تو اپنی زبان سے روکے۔ اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو، تو اپنے دل سے اس کو برا جانے۔ (حدیث کی کتاب: مسلم حدیث نمبر 186)

اس حدیثِ رسول کے مطابق برائی کو روکنا اسلام کی تعلیم ہے۔ چنانچہ جو درگاہوں کی زیارت کرتے ہیں ان کا فرض بنتا ہے کہ ان برائیوں کو اپنے ہاتھ سے روکیں۔ اگر وہ ہاتھ سے روک نہیں سکتے، تو زبان سے بول کر اچھی طرح سمجھا کر برے کام کو روکیں۔ اگر وہ ہمت و حوصلہ رکھتے ہوں، تو ان دونوں ہی طریقوں سے ان کو روکیں۔ اگر اس کی ہمت نہ ہوں، تو دل سے اس سے نفرت کرتے ہوئے وہاں سے دور ہو جائیں۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔

ان وجوہات کی بنا پر بھی درگاہ کی زیارت نہ کریں۔ قبر کی زیارت کے لیے عام قبرستان کو جا کر موت اور آخرت کی یاد تازہ کر لینا ہی سنت ہے۔

آخرت کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہر بستی میں سیدھا سادہ قبرستان موجود ہے۔ کسی قسم کے خرچ اور تکلیف کے بغیر اس سنت کو پورا کر کے ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔ جب اس کا راستہ

صاف ہے،تو پھر اس کو چھوڑ کر درگاہوں کا رخ کرنے اوران کی زیارت کرنے کے لیے کوئی معقول وجہ نہیں۔

13۔طاق عدد میں دینا

ریاستِ تمل ناڈو کے اکثر مسلمان میں جب کسی کو کوئی چیز دیتے ہیں،تو طاق عدد میں دیتے ہیں۔اسی طرح جب کوئی کام کرتے ہیں،تو اس کو تین مرتبہ کرتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ کیا ایسا کرنا ٹھیک ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ طاق ہے۔طاق کو پسند کرتا ہے۔ (بخاری:6410)

اللہ کے نبی ﷺ نے حکم دیا:''جنازے کو تین مرتبہ، یا پانچ مرتبہ، یا سات مرتبہ غسل دو''۔

(بخاری: 1253، 1254، 1257، 1259، 1261، 1263)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عید الفطر کے دن کھجور طاق عدد میں کھاتے تھے۔ (بخاری:953)

مذکورہ بالا احادیث طاق عدد کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ان میں کوئی شک نہیں۔مگر اس کا مطلب یہ نہیں لینا چاہیے کہ جو کام بھی کرنا ہو،اسے طاق مرتبہ کرے۔

کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے جہاں سُبْحَانَ اللہ کو 33 مرتبہ، الحمدُ للہِ کو 33 مرتبہ پڑھنے کے لیے کہا، وہیں پر اللہ ُ اَکْبَرُ کو 34 مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا۔

قرآنِ مجید میں کہا گیا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔حدیثوں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے (اسمائے حسنیٰ) سو (۱۰۰) ہیں۔اسی طرح قرآن میں ہے کہ گواہی کے لیے دو آدمی ہونا چاہیے۔نیز آپ کو معلوم ہے کہ نمازِ مغرب کے سوا، باقی تمام فرض نمازوں کی

رکعتیں طاق عدد میں نہیں، بلکہ جفت عدد میں ہیں۔ بہر حال اس قسم کی اور بھی کئی دلیلیں ہیں۔

قرآن وحدیث میں ایسے بے شمار امور پائے جاتے ہیں جن کا طاق عدد میں ذکر ہوا ہے۔ اسی طرح بہت سے امور جفت عدد کے ساتھ مذکور ہیں۔

اس لیے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جن امور کو طاق مرتبہ کرنے کی دلیل ملتی ہے، انہیں طاق عدد میں کریں۔ اور جنہیں جفت عدد میں کرنے کے لیے ثبوت ملتا ہے، انہیں اس کے مطابق کریں۔ اور باقی باتوں میں ہم اپنی سہولت کے مطابق کرلیں۔

یوں سمجھیے کہ دکاندار ایک چیز کی قیمت دو روپے بتائے، تو طاق عدد کا خیال کرتے ہوئے اس کو تین روپے تو نہیں دے سکتے۔ اسی طرح ایک چیز کی قیمت طے کر کے سو روپے میں لینے کے بعد، سو روپے کے ساتھ ایک روپے اور ملا کر دینا بھولا پن ہے۔ اس طرح کی بدعقیدگی کے لیے طاق عدد والی حدیثوں کو بطورِ دلیل پیش نہ کی جائے۔

نیز دین میں جفت عدد والے امور بھی کئی ہیں اور طاق عدد والے امور بھی کئی ہیں۔ ان کا خیال کرتے ہوئے اوپر ذکر کی گئی حدیث کا جب ہم جانچ کریں، تو اس کا مطلب واضح ہوجائے گا۔ یعنی اس کا یہ مطلب لینا مناسب ہوگا کہ اللہ طاق (ایک) ہے۔ اور طاق رہنے ہی کو پسند کرتا ہے۔

عام طور پر انسان اور جاندار وغیرہ بھی اپنے جوڑوں کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ ان سے ہٹ کر الگ تھلگ کوئی بھی نہیں رہتا۔ کیونکہ تنہائی اور علاحدگی سے اکثر حالات میں اچاٹ اور بیزارگی ہونے لگتی ہے۔

مگر پروردگارِ عالم یکتا اور اکیلا رہنے کے ساتھ ساتھ یکتا رہنے ہی کو پسند کرتا ہے۔ اس کو تنہا رہنا نہ بور لگتا ہے، اور نہ اس کو دور کرنے اور دل بہلانے کے لیے بیوی بچے، رشتے ناطے اور دوست واحباب کی ضرورت ہے۔ بلکہ یکتا اور اکیلا رہنا ہی اس کو پسند ہے۔ غرض وہ حدیث

اس طرح کا مطلب بیان کرنے کے لیے مناسب اور موزوں ثابت ہوتی ہے۔

حدیث کا یہ واضح مطلب جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے، اس کو چھوڑ کر اگر یہ معنی لیا جائے کہ اللہ طاق ہے، اور دوسروں کے افعال اور کاموں میں بھی طاق کو پسند کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ایسے کئی امور کو جو طاق عدد میں نہیں ہیں دینی حیثیت نہیں دیتا۔

اس کی تخلیق میں آنکھ، کان، ہونٹ، ہاتھ، پاوں، جیسے کتنے ہی اعضا جفت عدد میں ہیں۔ اور کتنے ہی دینی فرائض اور ارکان جفت مرتبہ ادا کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے طاق عدد میں مقرر نہیں کیا۔

بہرحال اللہ تعالیٰ کا طاق کو پسند کرنے کی حدیث میں دو معنوں کی گنجایش ہے۔ (1) ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی طاق ہے۔ اور (بذات خود) طاق رہنا پسند کرتا ہے۔ (2) اور ایک معنی یہ ہے کہ اللہ طاق ہے، اور دوسروں کے افعال اور اعمال میں بھی طاق رہنا ہی پسند کرتا ہے۔

ان دو معنوں میں ہماری سمجھ کے حد تک پہلا مفہوم ہی صحیح ہے۔ کیونکہ اس معنی و مطلب کے لحاظ سے کہیں بھی ٹکراو، اور تعارض پیدا نہیں ہوتا۔

14۔ کالا رنگ اور نحوست

مسلمانوں میں چند لوگ کالے رنگ کو نحوست سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کالے رنگ کی چیزوں کو استعمال کرنے سے نقصانات ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ نظریہ ٹھیک ہے؟

ہماری رہبری اور رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا۔ اس لیے ہم کو دیکھنا چاہیے کہ آپ ﷺ نے کیا کالے رنگ کی چیزیں استعمال کی ہیں یا نہیں؟

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول محمد ﷺ فتحِ مکہ کے موقع پر مکے میں

داخل ہوئے۔اس وقت آپ ﷺ کے سر پر کالے رنگ کی پگڑی تھی۔ (مسلم:2638)

حضرت عمرو بن حریثؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے کالے رنگ کی پگڑی (عمامہ) پہن کر لوگوں کو خطبہ دیا۔ (مسلم:2639)

اُس زمانے میں بھی جنگ وغیرہ کے موقع پر جھنڈا لے جانے کا رواج تھا۔ چنانچہ عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا جھنڈا کالے رنگ کا تھا۔ (ترمذی:1604)

نبی ﷺ کی نہ صرف پگڑی اور جھنڈا بلکہ قمیص، چادر اور کمل وغیرہ کے بھی کالے رنگ ہونے کی بابت روایتیں آتی ہیں، جیسے عبداللہ بن زیدؓ کا کہنا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بارش کے لیے دعا کی جب کہ آپ پر کالے رنگ کی قمیص تھی۔ (نسائی:1490)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ ایک صبح کے وقت کالی چادر اوڑھ کر نکلے تو حسن بن علی آئے تو آپ نے اس کو اس (چادر) میں داخل کرلیا۔ پھر حسین آئے، اور وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔ اس کے بعد فاطمہ آئیں، تو آپ نے ان کو بھی اس میں شامل کرلیا۔ (مسلم:4450)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے لیے کالی رنگ والی ایک چادر تیار کر کے دیا۔ آپ نے اس کو پہن لیا۔ پھر پسینے کی وجہ سے بو محسوس ہوئی، تو آپ نے اس کو نکال دیا۔ (ابوداؤد:3552)

آپ ﷺ کا کالی چادر پہننے اور کالی کمبلی اوڑھنے اور اس کالی چیز کے استعمال کے تعلق سے اور بھی بہت سی حدیثیں ملتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کالی رنگ کی چیزوں کو نحوست سمجھنا، بدعقیدگی اور غلط اعتقاد ہے۔ دین اسلام میں گیرو رنگ کے لباس کے سوا، باقی رنگ کے لباس پہننے کی اجازت ہے۔

15۔خواب کے ذریعہ حکم

جولوگ مر چکے ہیں وہ اگر خواب میں آ کر کوئی حکم دیں، تو کیا اس کو بجالانا ضروری ہے؟

خواب کے ذریعہ ملنے والے حکم کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے، خواب میں آنے والے کے بارے میں جاننا ضروری ہے کہ وہ حقیقت میں نہیں آیا۔

ایک مثال سے اس کی وضاحت ہوجائے گی۔ یوں سمجھیے کہ خواب میں آپ نے مجھے دیکھا۔ سوال یہ ہے کہ آپ کے خواب میں میرے آنے کے بارے میں کیا مجھے معلوم ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر آپ کے خواب میں آنے والا سچ مچ میں ہی تھا، تو سب سے پہلے مجھ کو معلوم ہونا چاہیے، جب کہ ایسا نہیں ہوتا۔

اسی سے آپ معلوم کر سکتے ہیں کہ کسی کا آپ کے خواب میں آنا، اس کے ارادے اور مرضی سے نہیں ہوتا، بلکہ خواب دیکھنے والے کے خیالات اور ارادوں پر منحصر ہے۔

کوئی آدمی خواہ زندہ ہو یا مردہ، اگر آپ کے خواب میں آئے، تو یقین جانیے کہ وہ حقیقت میں نہیں آیا۔ بلکہ آپ کو اس کے آنے کی طرح صرف دکھائی دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اس لیے خواب میں کسی کے آنے اور حکم دینے کی گنجایش ہی نہیں۔

نیز خواب میں کسی عبادت کے حکم کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول محمد ﷺ کے ذریعہ اس دین کو مکمل کر دیا۔ دین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں اس نے کوئی رہنمائی نہ کی ہو۔ جب ایسی بات ہے، تو پھر خواب کے ذریعے کسی بات کا حکم دینے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اگر یہ بات مان لی جائے کہ اللہ تعالیٰ خوابوں کے ذریعے بھی احکامات جاری کرے گا، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دینِ اسلام محمد ﷺ کے ذریعے مکمل نہیں کیا گیا۔ اس لیے مجبوراً خواب کے ذریعے بھی احکامات جاری کرنے کی نوبت آئی۔

اگر یہ بات ہوتی کہ اللہ تعالیٰ خوابوں کے ذریعے ہی احکامات نافذ یا صادر کرے گا، تو پیغام پہنچانے کے لیے کسی نبی کو بھیجنے کی چنداں ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اور ان نبیوں کو قوم کی طرف سے کئی قسم کے مظالم سہنے کی بھی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ بلکہ ہر ایک کو خواب ہی میں سب کچھ حکم دے دیتا۔

چونکہ انبیاے کرام کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست تعلق رہتا ہے، اس لیے صرف ان حضرات کے خواب وحی الٰہی میں شمار کیے جاتے ہیں، جیسا کہ ہم حدیثوں میں پڑھتے ہیں۔

انبیاے کرام کا خواب برحق ہے۔ اس سے قطع نظر عام لوگوں کا خواب اس نوعیت کا نہیں ہوتا۔ اس لیے خواب میں کوئی شخص آ کر آپ کو کسی چیز کا حکم دے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس طرح کا صرف تصور کرتے ہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہی شخص حقیقت میں آیا، اور آپ کو حکم دے گیا۔

فرض کیجیے کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ اسے ایک بزرگ فلاں رات میں اتنی اور اتنی رکعت نماز پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں۔ یہ بات سنتے ہی آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ حکم اللہ کی طرف سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعے بتا دیا کہ ہم کو فلاں رات میں کتنی رکعت نماز پڑھنی چاہیے۔ اور آپ ﷺ نے اپنی تبلیغی ذمہ داری میں کوئی کمی یا کوتاہی نہیں کی، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہم کو خواب کے ذریعہ بتائے!!

علاوہ ازیں اگر یہ بات مان لی جائے کہ اس قسم کی باتیں اگر اللہ کی طرف سے آئی ہیں، تو یہ تمام مسلمانوں کے خواب میں بھی آنا چاہیے۔ کیونکہ عبادت کے معاملے میں سب ہی برابر ہیں۔ دین میں کسی پسندیدہ عمل کے بارے میں صرف ایک شخص کو بتا کر دوسرے سارے لوگوں کو بتائے بغیر رہ جانا، اللہ کے عدل کے برخلاف ہے۔ جب کہ اللہ ایسی بے انصافی نہیں کرتا۔

اسی طرح کسی کے خواب میں یہ کہا جائے کہ فلاں جگہ ایک نیک آدمی کو دفن کیا گیا ہے جن کے لیے وہاں ایک درگاہ بناؤ۔تو آپ سمجھ جائیے کہ یہ خواب بھی شیطان کی طرف سے ہے۔

کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے اور لیپ پوت کرنے سے روکا ہے۔

اسی طرح قبروں پر عمارت بنانے اور عبادت گاہ تعمیر کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ملاحظہ فرمائیے:

بخاری میں حدیث نمبر:417،418،827،1244،1301،3195،4087،4089، 5368 اور مسلم میں حدیث نمبر 1763،1765۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے ذریعے ہم مسلمانوں کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ قبر پر بنی عمارت کو منہدم کر کے زمین بوس کر دی جائے۔دیکھیے مسلم میں حدیث نمبر 1764۔

چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمان کے خلاف کوئی پیغام نہیں دے گا،اس لیے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ قبر پر عمارت بنانے کی بابت آیا ہوا خواب بے شک شیطان ہی کا کام ہے۔

اس موضوع پر ہماری ایک مستقل کتاب ''اسلام اور خواب'' کے نام سے دستیاب ہے جس میں بہت ساری باتیں قرآن وحدیث کے حوالوں سے وضاحت کر دی گئیں ہیں۔اس لیے ان حدیثوں کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔تفصیل کے لیے اس کتاب کا مطالعہ کیجیے۔

16۔ آبِ زم زم

حج یا عمرہ کرنے والے واپسی کے موقع پر اپنے ساتھ زم زم کا پانی لاتے ہیں۔کیا رسول ﷺ بھی اس طرح آبِ زمزم مکّہ سے مدینہ لے گئے؟ کیا اس پانی کو ننگے سر کھڑے ہو کر پینا چاہیے؟ کیا اس پانی کو میت کے کفن میں چھڑکا جا سکتا ہے؟ اور کیا اس کا تقدس ثابت ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زمزم کا پانی مدینہ لے جاتی تھیں۔اور کہتی تھیں کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی اس طرح لے جاتے تھے۔(ترمذی 886)

کہا جاتا ہے کہ اس پانی کو پیتے وقت کھڑے ہوکر پینا چاہیے، اور سر پر اگر ٹوپی یا کپڑا وغیرہ ہو، تو اس کو اتار کر ننگے سر ہوکر پینا چاہیے۔ واضح رہے کہ ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کھڑے ہوکر یہ پانی پیا۔ اس لحاظ سے کھڑے ہوکر پینے کی اجازت ہے۔

مرنے کے بعد حاجیوں کو اس پانی سے نہلانے کے لیے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس لیے میت کو غسل دینے کے لیے آبِ زمزم کا استعمال نہ کیا جائے، اور نہ میت کے کفن میں اس کو چھڑکا جائے۔

آبِ زمزم کی تاریخ ہی سے اس کی عظمت اور تقدس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل کو بے آب وگیاہ وادی میں بسایا، جہاں اب مکّہ مکرّمہ ہے۔ چھوٹے بچے اسماعیل جب سخت پیاس کی وجہ سے تڑپنے اور بلکنے لگے، تب اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے اسماعیل کے قریب زمین پر مار کر پانی کا ایک چشمہ جاری کردیا۔ وہی آبِ زمزم کا کنواں کہلاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے، بخاری:3364)

آبِ زمزم کا یہ کنواں بہت بڑا معجزہ ہے۔ اور اسلام کو سچا دین ثابت کرنے والی دلیل بھی ہے۔

کنویں کا ناپ

زمزم کے کنویں کی چوڑائی 18 فٹ اور لمبائی 14 فٹ ہے، اس کنویں میں پانی کی گہرائی ہمیشہ پانچ فٹ رہتی ہے۔

اس کنویں سے ہر لحظہ پانی نکالا جاتا رہتا ہے۔ اور لوگ وہاں سال کے تمام دنوں میں آتے رہتے ہیں۔ ماہِ رمضان اور حج کے موسم میں تقریباً تیس لاکھ افراد جمع ہوتے ہیں، جن کو اس کنویں سے پینے کے لیے پانی فراہم کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ مکے سے اپنے گاوں واپس جانے والا ہر آدمی، اپنے ساتھ بیس لیٹر تک اس پانی کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

یاد رہے کہ ریگستان میں واقع اس کنویں کے، جس کی گہرائی بھی کم ہے، آس پاس اور قریب میں کوئی ندی، جھیل یا تالاب کچھ بھی نہیں۔اس کے باوجود اس کنویں سے لاکھوں آدمیوں کو پانی پہنچایا جاتا ہے۔اس لیے یہ پہلا معجزہ ہے۔

کوئی بھی چشمہ ہو چند سالوں میں یا کئی برسوں کے بعد سوکھ جاتا ہے۔ پانی آنے کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔مگر زمزم کا یہ چشمہ کئی ہزار سالوں سے سوکھے بغیر برابر جاری ہے۔ یہ اس کنویں کے تعلق سے دوسرا معجزہ ہے۔

جہاں بھی پانی رہتا ہے، وہاں کائی لگ جاتی ہے، اور پانی میں جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ فطری بات ہے۔اسی لیے بند پانی اور پانی کی ٹنکیوں میں کلورین جیسی جراثیم کش دوائیں ڈالی جاتی ہیں۔لیکن یہ کتنی حیرت کی بات ہے کہ زمزم کے کنویں میں آج تک کوئی دوا نہیں ڈالی گئی۔اس کے باوجود اس کا پانی خود اپنی حفاظت کر لیتا ہے۔ یہ زمزم کے پانی کے متعلق یہ تیسرا معجزہ ہے۔

سائنس اپنی تجربات کی بنیاد پر یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ جس پانی کو دوا کے ذریعے حفاظت نہ کی گئی ہو، وہ پانی پینے کے لائق نہیں۔مگر سن 1971 میں یورپ کے ایک بڑے کیمیائی تجربہ گاہ (کیمسٹری لباٹری) میں زمزم کے پانی کی پوری طرح جانچ کی گئی۔آخر یہ ثابت ہو گیا کہ زمزم کا پانی پینے کے لیے بہت ہی موافق ہے۔

سائنس کی ریسرچ سے یہ معلوم ہونے لگا کہ زمزم کا پانی دیگر پانی سے مختلف ہے۔کیلشیم اور میلنیشیم نمک دیگر پانی کی بہ نسبت اس زمزم میں زیادہ پایا جاتا ہے۔معلوم ہونا چاہیے کہ یہ نمک انسان کو نشاط اور تازگی عطا کرتا ہے، چشت اور پرتیلا بناتا ہے۔اس حقیقت کو زمزم کا پانی پینے

والے سب اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں۔

نیز آبِ زمزم میں فلورائڈ پائی جاتی ہے جو جراثیم کش ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ ہر مذہب والا اپنے دین دھرم سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کو مقدس مانتا اور معجزہ سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ صرف ان کا اعتقاد ہے جسے جانچ کر ثابت نہیں کیا گیا۔

مگر زمزم کے پانی کو روزانہ لاکھوں آدمیوں کا پینے کے لیے استعمال کرنا، ریگستان میں واقع زمزم کا یہ حیرت انگیز چشمہ کئی ہزار سالوں سے مسلسل جاری رہنا، اور اس کے پانی کو کئی طرح جانچ کر، ریسرچ کرنے کے بعد حقیقت میں بے عیب اور خوبیوں والا ثابت ہونا وغیرہ ہم کو بتا رہا ہے کہ زمزم کا چشمہ ایک حقیقی معجزہ ہے۔ اس لیے اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں اس جیسا حقیقی معجزہ یہ ایک ہی ہے۔

17۔قصیدہ بُردہ

قصیدۂ بردہ کو بعض لوگ بردہ شریف کہتے ہیں جو ایک شاعر کا مجموعہِ کلام ہے۔ جس شاعر نے یہ قصیدہ پیش کیا ہے اس کا نام ''بوصیری'' ہے، جسے دینِ اسلام کے بارے میں کچھ بھی علم و آگاہی نہیں تھی۔ نادان لوگ اس قصیدے کو قرآنِ کریم سے بڑھ کر، یا اس کے برابر مانتے ہیں، اور عقیدت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ زندگی میں ترقی کرنے، دل کی بیماری، وسوسے، اور پریشانیوں سے نجات پانے، گم شدہ چیزیں دوبارہ حاصل کرنے، اور مختلف قسم کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے گھروں میں اس قصیدے کو پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں!! دیکھ کر پڑھنے نہیں آتا، تو اجرت پر گانے والوں کو اور گلوکاروں کے ذریعہ بُردہ پڑھایا جاتا ہے۔

ایک آدمی کی تحریر کردہ اشعار کو، ایک شاعر کے کلام کو پڑھنے پر مذکورہ بالا فوائد حاصل ہونے کا عقیدہ رکھنا گویا اس شاعر کو خدائی درجہ دینا ہے۔

قوم کے لوگوں نے جب اس کے بارے میں غور نہیں کیا کہ ہمارے ہی جیسا ایک آدمی کے لکھے ہوے اشعار میں ، یعنی اس کے پیش کردہ قصیدے میں ایسی قدرت کہاں سے آ گئی؟ اور کیسے آ گئی؟! قصیدۂ بردہ میں ایسی قدرت کس نے ودیعت کر دی؟ اس کے لیے کیا دلیل ہے؟ اس طریقے سے جب قوم والوں نے غور کرنا چھوڑ دیا، تو ایسا ماحول بن گیا کہ نادان لوگ اس کو مقدّس اور متبرک سمجھنے لگے!

اگر یہ مان لی جائے کہ اس قصیدے میں بڑی اچھی اچھی باتیں بھری پڑی ہیں، جن کو شاعر بوصیری نے بڑے سلیقے سے پیش کیا ہے، تو ان کو سن کر محظوظ ہو سکتے، اور داد دے سکتے ہیں۔ مگر اس سے آگے بڑھ کر اس کو خدائی کرشمہ سمجھنا، مقدس اور برکت والا قرار دینا وغیرہ قابلِ قبول نہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس قصیدے میں دین سے مطابقت رکھنے والی باتیں نہیں ملتیں، بلکہ اس میں دین کی بنیادوں کو ڈھانے والی خطرناک باتیں، اور اسلام کے اصولوں کو تباہ و برباد کرنے والے زہریلے نظریات پائے جاتے ہیں۔ اس لیے اس قصیدے کو پڑھنا ہی گناہ ہے۔

لوحِ محفوظ کے بارے میں ہم اور آپ جانتے ہیں کہ اب تک جو کچھ ہوا، اور آیندہ جو کچھ ہونے والا ہے، سب اس کتاب (رجسٹر) میں درج ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس میں نہ ہو۔ درخت کا ایک پتا اگر جھڑتا ہے، تو وہ بھی اس رجسٹر میں درج ہونے کی بنا پر ہی جھڑتا ہے۔

اسی (اللہ) کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ خشکی اور سمندر میں جو کچھ ہے اسے بھی وہ جانتا ہے۔ ایک پتہ گرتا بھی ہے، اس کی وہ خبر رکھتا ہے۔ زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ، کوئی بھی تر اور کوئی بھی خشک چیز ایسی نہیں جو واضح کتاب میں موجود نہ ہو۔ (الانعام 6: آیت نمبر 59)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ لوحِ محفوظ ساری واقفیت اور آگاہی کا مجموعہ ہے۔ کیا آپ

جانتے ہیں کہ یہ قصیدہ، اس کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

اس میں لکھا ہوا ہے کہ (اے نبی!) یہ دنیا اور آخرت دونوں آپ کی عطا اور بخشش ہے، اور لوحِ محفوظ میں جو علم ہے وہ آپ کے علم کا ایک ادنیٰ حصہ ہے۔

نبی کے علم کو اللہ کے علم سے بڑھا چڑھا کر بتانا کتنی بری اور خطرناک بات ہے! کیسا زہریلا نظریہ ہے!! ایسے نظریے کے حامل اس قصیدے کو پڑھنے والا، اس کو ماننے والا کیسے مسلمان ہوسکتا ہے؟

نیز اسلام ہم کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ کسی شخص پر یا کسی چیز پر قسم نہ کھائیں۔ حضرت سعد بن عُبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کعبے کی قسم کھائی۔ (یعنی اس نے کہا کہ کعبے کی قسم!) عبداللہ بن عمرؓ نے جب یہ سنا، تو کہنے لگے: ''اللہ کے سوا دوسرے کی قسم مت کھاؤ۔ کیونکہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے اللہ کو چھوڑ کر غیر کی قسم کھائی، اس نے شرک کیا''۔ (ترمذی:1455)

قصیدۂ بردہ میں بوصیری کہتے ہیں کہ میں پھٹے ہوئے چاند کی قسم کھاتا ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جس بات کو شرک قرار دے کر روکا، یہ قصیدہ اسی شرک کی بے جا حمایت اور طرف داری کر رہا ہے!! تو کیا کوئی سچا مسلمان اس قصیدے پر بھروسا اور اعتبار کرسکتا ہے؟

کوئی مسلمان اس دنیا میں جس قدر نیک کام کرتا رہے گا، اسی کے مطابق وہ آخرت میں اللہ کا فضل اور نعمت پائے گا۔ یہ حقیقت عام مسلمان بھی جانتا ہے۔ مگر یہ قصیدۂ بردہ اس حقیقت کا بھی انکار کرتے ہوئے لوگوں کو گناہ کرنے پر ابھارتا ہے!

اس میں کہا گیا ہے کہ اللہ اپنے فضل وعنایت کو تقسیم کرتے وقت گناہوں کے لائق تقسیم کرتا ہے! یعنی آدمی جس حد تک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، اور جتنا زیادہ مرتکب ہوتا ہے، اتنا ہی زیادہ اس کو اللہ کا فضل وکرم نصیب ہوتا ہے۔ ہائے افسوس! یہ کیسی گمراہی اور بکواس ہے۔ کیا کوئی

مسلمان اس بکواس پر بھروسا کرسکتا ہے؟

اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ ہر آدمی کو اپنے کیے کام ہی کا بدلا دیا جائے گا۔ جو کام اس نے نہیں کیا، اس کا بدلا اس کو نہیں دیا جائے گا۔ فرض کیجیے کہ ایک شخص نے کسی بچے کا ایک اچھا سا نام رکھ دیا۔ جس بچے کا وہ نام رکھا گیا اس بچے کا، نام رکھنے کے معاملے میں کوئی دخل اور تعلق نہیں ہوتا۔ اس لیے دیکھنے میں آتا ہے کہ کئی بدمعاش شریر، اچھے نام والے ہوتے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اس کے بارے میں قصیدۂ بردہ کیا کہتا ہے؟

اس میں شاعر بوصیری کہتے ہیں کہ میرا نام ''محمد'' ہونے کی وجہ سے میرا معاملہ نبی ﷺ کی ذمّے میں آجاتی ہے۔ اور پورے مخلوق میں آپ ﷺ ہی اپنی ذمہ داریوں کو بہترین طریقے سے نبھاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ جس کا نام ''محمد'' ہو، اس کا میں ذمہ لیتا ہوں؟ نہیں۔ اس کے علاوہ بوصیری نے اپنا نام خود سے تجویز کرکے ''محمد'' نہیں رکھا۔ بلکہ ان کے گھر والوں نے ہی ان کا نام ''محمد'' رکھا۔ اسی بنا پر اس نام میں، اور بوصیری میں کسی قسم کا تعلق نہیں۔ اس کے باوجود یہ خوش فہمی کہ شاعر کا نام ''محمد'' ہونے کی وجہ سے نبی ﷺ ان کو بچالیں گے! غور کیجیے کہ یہ کیسی بے ہودہ بات ہے!!

اگر ''محمد'' نام کا کوئی شخص ان کا مال چھین لے، تو کیا یہ خاموش رہ جائیں گے؟! ہرگز نہیں۔ چپ نہیں بیٹھیں گے، بلکہ لڑیں گے اور جھگڑیں گے۔ کیونکہ ان کو خود ''قصیدۂ بردہ'' کی اس من گھڑت بات پر یقین نہیں۔ جب اس قصیدے کے ماننے والوں کو ہی اس کی باتوں پر یقین نہیں، تو پھر اس کو مقدس سمجھنا، اور تقدس کا درجہ دینا کہاں کا انصاف ہے؟!

اس طرح سے قصیدۂ بردہ میں بے ہودہ باتیں بہت ہیں۔ مگر جو باتیں ابھی بتائی گئیں، وہ خود سمجھداروں کے لیے کافی ہیں۔

18۔کیا عربی زبان ہی خدائی زبان ہے؟

لوگ مختلف زبانیں بولتے ہیں۔کوئی اردو زبان میں بات کرتا ہے،تو کوئی تمل زبان میں۔غرض ہر زبان اپنے خیالات کو ظاہر کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔اس سے بڑھ کر کوئی زبان خدائی زبان، زبانِ الٰہی، یا مقدس زبان وغیرہ کچھ نہیں۔اسلام کی نظر میں تمام زبانیں برابر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:''ہم نے ہر رسول کو ان کی قوم کی زبان ہی میں (پیغام دے کر) بھیجا، تاکہ وہ لوگوں پر اچھی طرح واضح کردے''۔ پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔(ابراہیم 4:14)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ سے پہلے بے شمار رسول بھیجے گئے۔اللہ نے ان کو ان کی قومی زبان ہی میں کتابیں دے کر بھیجا۔یہ آیت دلیل ہے کہ اسلام تمام زبانوں کو برابر کا درجہ دیتا ہے۔

نبی ﷺ کو آخری رسول بنا کر بھیجا گیا۔چونکہ آپ ﷺ کی مادری زبان عربی تھی، اس لیے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا گیا۔اس کے علاوہ آپ ﷺ ساری دنیا کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے، اس وجہ سے عربی زبان میں نازل شدہ یہ قرآن کریم ہی ساری دنیا کے لیے ایک عالمی کتاب بن گئی۔

چند لوگوں کو یہ اشکال ہوگا کہ سارے عالم کی رہنمائی کے لیے جو کتاب نازل کی گئی، وہ عربی زبان ہی میں کیوں نازل ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ عالمی کتابِ رہنما، اگر تمل زبان میں یا دوسری کسی بھی زبان میں عطا کی جائے، تب بھی یہی سوال پوچھا جاسکتا ہے۔بس اتنا سمجھ

لیجیے کہ عالمی کتابِ رہنما کو، کسی ایک زبان میں نازل کیا جاسکتا ہے۔ اس میں بڑے فوائد اور مصلحتیں ہیں۔ چونکہ نبی ﷺ کی مادری زبان عربی تھی، اس لیے قرآن مجید کو عربی زبان میں اتارا گیا۔

ہم قرآنِ مجید کو اللہ کا عطا کردہ کلام مانتے ہیں۔ اللہ کا کلام ماننے کی وجہ سے قرآن کو جس طرح پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، اسی طرح پڑھنا چاہیے۔ اس طرح پڑھنے سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ عربی زبان کو اہمیت دی گئی ہے۔ بلکہ یہ یقین کرنا چاہیے کہ اللہ کے الفاظ (کلمات) کو اہمیت دی گئی ہے۔

جس موقع پر قرآن کو پڑھنا لازمی قرار دیا گیا ہے، اس موقع پر قرآن میں موجود عربی الفاظ کے بدلے میں وہی معنی دینے والے دوسرے (مترادف) الفاظ نہیں پڑھنا چاہیے۔ جب عربی الفاظ کی جگہ دوسرے مترادف الفاظ پڑھنے کی اجازت نہیں، تو اس سے پتا چلتا ہے کہ عربی زبان کو اہمیت نہیں دی گئی۔

نماز جیسی عبادت میں قرآن کو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے سوا دوسرے مواقع پر قرآنِ مجید کا اردو ترجمہ پڑھ سکتے ہیں۔ اور دیگر زبانوں میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ بلکہ اپنی اپنی زبان میں ضرور پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ قرآن کو سمجھنے اور غور کرنے کے لیے ہی عطا کیا گیا۔

اس کے تعلق سے اب قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیے: کیا وہ لوگ اس قرآن پر غور نہیں کرتے؟! اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے آیا ہوتا، تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔

(النساء4: آیت 82)

کیا وہ لوگ اس قرآن پر غور نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر ان کے تالے (قفل) پڑے ہیں؟

(محمد 24:47)

غرض قرآن ہم کو سمجھنے اور غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ بعض لوگ یہ سوچتے ہوں گے کہ

عربی ہماری مادری زبان نہیں، بلکہ ہمارے لیے نامعلوم اور اجنبی زبان ہے۔ اس لیے ایک نا معلوم زبان میں قرآن کو پڑھنے سے، جس زبان کو ہم سمجھتے ہیں اس میں پڑھنا بہتر ہے۔

اگر چہ یہ نظریہ ٹھیک ہے۔ مگر ہم اس سے زیادہ اہم مقصد کے لیے نامعلوم زبان میں کئی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں جہاں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں، وہیں قومی ترانہ ایک نامعلوم زبان ہی میں ہے۔ چنانچہ اس زبان کو جاننے والے اور نہ جاننے والے سب اسی ترانے کو پڑھتے اور گاتے ہیں۔ اس کی وجہ بتائی جاتی ہے کہ ملک کی اتحاد و اتفاق اور قومی یکجہتی کے لیے یہ ضروری ہے۔ ہم بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس دیس کی یکجہتی کے لیے یہاں کے سارے باشندے ایک ہو گئے ہیں۔ اس معاملے میں متحد اور متفق ہیں۔

دینِ اسلام کسی خاص علاقہ یا ملک کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ یہ دین، سارے ملک اور ساری قوموں کے لیے، مختلف زبانیں بولنے والوں کے لیے، اور مختلف رنگ و نسل والوں سبھی کے لیے عام ہے۔ ایک سطر میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ دین پوری دنیا والوں کے لیے مشترک اور عام ہے۔

چنانچہ دنیا بھر کے لوگ جب ایک ہی طریقے سے عبادت کرتے ہیں، تو عالمی پیمانے پر عالمی اتحاد کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے صوبائی، علاقائی، اور مُلکی اختلافات نیز لسانی عصبیت وغیرہ بھول کر عالمی اتحاد قائم ہوتی ہے۔

کسی بھی مسجد میں جب اللہ کی عبادت ایک ہی طریقے سے کی جاتی ہے، تو اس کی بنا پر پیدا ہونے والے عالمی اتحاد و اتفاق کی خاطر جس زبان میں عبادت کی جاتی ہے، اس زبان سے ناواقفیت اور لاعلمی کی بات کو کچھ دیر کے لیے بھول جائیں، تو اس سے کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا۔

جب آدمی کسی مقصد کے بغیر ہی، نامعلوم زبان کی گیتوں اور نغموں سے لطف اٹھاتا ہے، تو بہت بڑے مقصد حاصل کرنے کے لیے، اللہ کی کتاب کو جس زبان میں اتارا گیا ہے اسی زبان میں پڑھ لینے سے کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

نماز میں اللہ کی کتاب قرآنِ کریم کو اس کی نازل کردہ زبان عربی ہی میں پڑھنا چاہیے۔اس کے باوجود قرآن کہتا ہے کہ اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

(البقرۃ2:286)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ عربی الفاظ پڑھنا نہیں جانتے، اس کو سیکھنے کے لیے کوئی راستہ بھی نہ ہو، کوشش کے باوجود کوئی راستہ پیدا نہ ہو، اور دور دور تک اس کے آثار دکھائی نہ دے، تو پھر ایسے لوگوں کو عربی زبان ہی میں پڑھنا کوئی ضروری نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆